آنحضرت ﷺ کے بیان فرمودہ

سبق آموز واقعات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمودہ

سبق آموز واقعات

احادیث صحیحہ سے منتخب کردہ دلچسپ قصوں کا حسین مجموعہ

اردو ترجمہ

القصص الصحیح فی السنۃ النبوی

مصنف

طلعت عفیفی محمد سالم

مترجم

ابن سرور محمد اویس

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب

آنحضرت ﷺ کے بیان فرمودہ
سبق آموز واقعات

ترجمہ

القصص الصحیح فی السنۃ النبویۃ

مؤلف

طلعت عفیفی محمد سالم

مترجم

ابن سرور محمد اویس

باہتمام

مولانا محمد قاسم اشرف

ناشر

بیت العلوم

﴿فہرست﴾

﴿عرضِ مترجم﴾

اللہ رب العزت نے بنی نوع آدم پہ احسان فرمایا اور اسے مافی الضمیر کو بیان کرنے کے لئے مختلف ذرائع عطا فرمائے، جب کبھی انسان اپنے اندر کے مضمون کو زبان پر لاتا ہے تو اس کا کلام کبھی "نثر" کی صورت اختیار کرتا ہے اور کبھی "نظم" کے سانچہ میں ڈھل جاتا ہے۔ نظم کبھی غزل کی صورت میں ہوتی ہے کبھی مرثیہ کی صورت میں، کبھی قطعہ کی صورت اختیار کرتی ہے کبھی رباعی کی .... اسی طرح نثر بھی مختلف اقسام کی طرف تقسیم ہوتی ہے، کبھی اسے مضمون کا لباس پہنایا جاتا ہے کبھی مقالہ کا، کبھی اسے کالم کا رنگ دیا جاتا ہے کبھی قصہ کا۔

زبان و ادب کی کوئی سی نوع ہو یا کوئی بھی پہلو ہو .... نظم ہو یا نثر .... تحریر ہو یا تقریر .... افادہ ہو یا استفادہ .... تعلیم ہو یا تعلم، مافی الضمیر میں جادو کی سی تاثیر پیدا کرنے کے لئے جس نوع ادب کو اولین حیثیت حاصل ہے اسے اصطلاحِ ادب میں "قصہ" اور "واقعہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

انسان واقعاتی طرز بیان اور قصہ جات سے کیوں متاثر ہوتا ہے؟ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبیعت میں تنوع اور تفنن کا مادہ رکھا ہے، یہ یکسانیت سے اکتاہٹ اور بیزاری کا شکار ہو جاتا ہے اور مختلف النوع اشیاء و حالات کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے، اسی انسانی ضرورت کے پیشِ نظر خالقِ کائنات نے کون و مکاں کو مختلف حالات و حوادثات سے مزین کیا، کبھی گرمی، کبھی سردی، کبھی دن، کبھی رات، کہیں سرسبز وادیاں، کہیں بلند و بالا پہاڑ، کہیں لہلہاتی فصلیں، کہیں بے آب و گیاہ بیابان، کہیں گل و لالہ زار اور کہیں چٹیل میدان .... کائنات کا تفنن انسانی ضرورت کا تقاضا ہے۔

قصہ اسبابِ دعوت میں سے ایک موثر ترین سبب اور نافع ترین وسیلہ ہے، قصہ کی مدد سے مخاطب کے دل و دماغ میں ان نظریات کو واضح کیا جا سکتا ہے جو مقصود

دعوت ہیں۔ اسی حکمت کے پیش نظر احادیث نبویہ کا ایک بہت بڑا حصہ واقعاتی طرز بیان پر مشتمل ہے، ان واقعات اور قصوں میں اجتماعی وانفرادی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے موثر ترین انداز میں بنی نوع آدم کی راہ نمائی کا سامان فراہم کیا گیا ہے تاکہ ہر شعبہ ہائے زندگی سے متعلق فرد ان قصوں سے مکمل راہنمائی حاصل کر سکے اور دنیا وآخرت کی سربلندیوں اور کامیابیوں سے بہرہ ور ہو جائے۔

قصص نبویہ ﷺ ایسی بہت سی خصوصیات پر مشتمل ہیں جو انہیں دوسرے قصوں سے ممتاز حیثیت عطا کرتی ہیں مثلاً الفاظ کی جامعیت، معانی کی وسعت، نظافت اسلوب کا اہتمام، انفرادی واجتماعی تقاضوں کی فراہمی، زمان ومکان کی عمومیت، مرکزی خیال کی خصوصی رعایت، موضوع کی وسعت وجامعیت وغیرہ۔

واقعات نبوی ﷺ کی اہمیت وافادیت کے باوجود اس موضوع پر جو کام اب تک کیا گیا وہ ضرورت کے پیش نظر بہت کم اور نامکمل ہی سمجھا جائے گا، خاص طور پر اردو ادب میں تو شاید ہی کوئی ایسی کتاب موجود ہو جس میں حضور ﷺ کے بیان کردہ واقعات کو ان کی مستند تشریح اور ان سے حاصل شدہ دروس کے ساتھ جمع کیا گیا ہو۔

اللہ تعالیٰ ڈاکٹر محمد عفیفی سالم صاحب (پرنسپل الدعوۃ الاسلامیہ کالج قاہرہ) کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے "مختارات من القصص الصحیح فی السنۃ النبویہ" کے نام سے تجزیاتی اور تربیتی دروس کو کتاب کی شکل میں جمع کر کے وقت کی ایک اہم ضرورت کی تکمیل فرمائی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کو احادیث مبارکہ سے منتخب کردہ ان قصوں اور واقعات سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

اَللّٰهُمَّ أَعِنَّا عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ

ابن سرور محمد اویس

جامعہ اشرفیہ لاہور

﴿مقدمہ﴾

﴿الحمد لله رب العالمين، والعاقبه للمتقين، ولاعدوان الاعلى الظالمين. واشهدان لا اله الا الله وحده لاشريک له، خلق الانسان، علمه البيان. واشهدان محمد اعبده ورسوله، وهبه ربه ملكة البيان، واتاه جوامع الكلام. صلوات ربي وسلامه عليه وعلى اله و صحبه ومن تبعهم باحسان.﴾

حمد وصلوٰۃ کے بعد:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو تمام لوگوں کے لئے جنت کی خوشخبری دینے اور جہنم کے عذاب سے ڈرانے کے لئے بھیجا، لہٰذا آپ کو ایسے اسباب مہیا فرمائے جو اس عظیم مقصد میں آپ کی مدد ومعاونت کرسکیں، چنانچہ آپ کو بہترین آداب وخصائل سے روشناس کیا اور آپ پر فضیلتوں اور نعمتوں کا فیضان برسایا جس کی بدولت آپ ﷺ تمام جہان والوں کے لئے سراپا رحمت قرار پائے۔

خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ علوم ومعارف اور فضائل وشمائل آپ ﷺ کی گفتگو اور طرز عمل سے جھلکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ معانی مجردہ آپ کی شخصیت میں حقیقت بن کر ابھرتے ہیں، مثلاً دل کی پاکیزگی، طرز عمل کی نظافت اور گفتگو کی طہارت ... اس صداقت کو حق تعالیٰ شانہٗ نے ان الفاظ میں آشکارا کیا ہے:

﴿''وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ''﴾ (سورۃ القلم ۴)

''اور تمہارے اخلاق بڑے (عالی) ہیں۔''

اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ پر احسان فرماتے ہوئے آپ کو ایسا طرز ومنہج عطا فرمایا جو آپ کے اخلاق عظیمہ کے مناسب تھا، اس منہج کی بنیاد پر ایک عظیم

امت کا وجود قائم ہونا تھا، یہی امت محمدیہ ﷺ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿"كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ"﴾ (سورۃ آل عمران: ۱۱۰)

''مومنو! جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو۔''

اس منہج اور طرز عمل کا مقصد لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑنا اور سیدھے راستے کی طرف دعوت دینا قرار دیا گیا، اسی بارے میں ارشاد ربانی ہے:

﴿"وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ أَلَا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ"﴾ (سورۃ الشوریٰ: ۵۳،۵۲)

''اور بے شک (اے محمدؐ) تم سیدھا راستہ دکھاتے ہو یعنی خدا کا راستہ جو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے۔ دیکھو سب کام خدا کی طرف رجوع ہونگے (اور وہی ان میں فیصلہ کریگا)۔''

مختلف حالات ومواقع کے پیش نظر وسائل دعوت میں بھی تنوع پایا جاتا ہے، یہ تمام وسائل واسباب ہمتوں کو برانگیختہ کرنے اور ارادوں کو جلا بخشنے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں، ان حقائق کو کبھی مثال کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے، کبھی قصہ کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے اور کبھی واعظانہ طرز گفتگو کے سانچے میں ڈھالا جاتا ہے۔

میری خواہش ہے کہ میں دعوت کے ان وسائل میں سے ایک اہم ترین وسیلہ یعنی ''قصصی وواقعاتی طرز دعوت'' کو دعوت اسلامی کی ایک اہم بنیاد ''سنت نبویہ'' سے حاصل کر کے بیان کروں۔

موضوع کی اہمیت وضرورت

ہمارے اس موضوع کی اہمیت مندرجہ ذیل نکات سے ظاہر ہوتی ہے:

(۱) لوگوں کی اکثریت احادیث کے قصوں سے ناواقف ہے حالانکہ قصوں کی اہمیت کسی سے مخفی نہیں، جیسا کہ قرآنی اسلوب، کیونکہ اس میں قصوں کے بیان کرنے کو اہمیت دی گئی، اسی وجہ سے قصص القرآن کے اہتمام پر زور دیا گیا لیکن قصص السنۃ کو یکسر نظرانداز کر دیا گیا، سوائے چند علماء و متخصصین کے علاوہ کسی نے اس موضوع پر کام نہیں کیا، یہی وجہ ہے کہ آج ہمیں اسلامی کتب خانوں میں قرآنی قصہ جات کے متعلق تالیف کی گئی کتابوں کا انبار نظر آتا ہے لیکن احادیث کے قصوں پر تالیف کی گئی کتابیں ایک ہاتھ کی انگلیوں سے زیادہ نہیں، جن میں اس موضوع پر بحث کو خاص کیا گیا ہو، یہ کتابیں بھی ایسی ہیں جن میں احادیث کے قصہ جات کی تمام جوانب کا احاطہ کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ مذکورہ صورت حال کے پیش نظر اسلام کی دعوت دینے والے حضرات کی یہ ذمہ داری تھی کہ اس خلا کو اس انداز میں پُر کریں جو اس موضوع کی اہمیت کے مناسب بھی ہو۔

(۲) لوگ قصوں کو پسند کرتے ہیں اور انہیں سن کر لطف اندوز ہوتے ہیں، لوگوں کے اس مزاج کے پیش نظر احادیث کی وضع اور جھوٹ گھڑنے کی جسارت کی گئی لہٰذا اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ داعیان اسلام صحیح، مستند اور تحقیق شدہ نبوی قصوں کی تسہیل کی امانت کی ادائیگی سے سبکدوش ہوں تاکہ لوگ جھوٹے اور من گھڑت قصوں کے بجائے صحیح و مستند قصوں کو اپنا زادِ راہ اور نصب العین بنائیں۔

ان مذکورہ دو وجوہات کی بنا پر اور مزید کئی ضرورتوں کے پیش نظر میں نے اس موضوع پر کام کرنے کا ارادہ کیا کہ میں سنت نبویہ سے صحیح قصوں کا انتخاب بطور ترجیحی تجزیاتی درس کے کروں، مجھے امید ہے کہ ایسا کرنے سے اس میدان میں ایک ضروری امر کو انجام دینے اور خلا کو پُر کرنے کی کوشش کرنے والا بن جاؤں گا۔

اس کے ساتھ ساتھ میں نے کوشش کی ہے کہ میں احادیث نبویہ میں سے ایسے قصوں کو انتخاب کروں جن کی ہمارے معاشرہ اور افراد کو بہت زیادہ ضرورت ہے، جس میں ان کی اصلاح و دلچسپی کا سامان موجود ہے، نیز میں نے ہر قصہ کو حدیث کی مستند کتابوں سے اخذ کرنے کی سعی کی ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں فریاد کرتا ہوں کہ وہ اس عمل کو میری نیکیوں کے ترازو میں رکھ دے اور ہم سب کی طرف سے ہمارے نبی ﷺ کو بھرپور جزا عطا فرمائے اور میرے والدین اور اساتذہ کو نیک لوگوں کی طرح کا بدلہ عطا فرمائے۔

مؤلف
پروفیسر ڈاکٹر طلعت محمد عفیفی سالم
پرنسپل ''الدعوۃ الاسلامیہ'' کالج قاہرہ

پیش لفظ

زیرِ نظر عنوان مندرجہ ذیل امور پر مشتمل ہے۔

(۱) قصہ کی لغوی واصطلاحی تعریف۔

(۲) سنت کی تعریف۔

(۳) نبوی قصوں پر قرآنی قصوں کے اثرات۔

(۴) نبوی قصوں کی خصوصیات۔

(۵) تتمہ۔

تمہید

انسانی تاریخ ایک زنجیر کی طرح آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی ہے، بعد میں آنے والے واقعات کو گزشتہ واقعات سے جدا کرنا ممکن نہیں، ہر واقعہ اپنے سے پہلے رونما ہونے والے واقعہ کا نتیجہ ہوتا ہے اور ہر واقعہ "گذشتہ سے پیوستہ" ہوتا ہے، چند چھوٹے چھوٹے واقعات کے ملنے سے بڑے واقعات جنم لیتے ہیں، لیکن ہم ان تمام واقعات میں اثر انداز ہونے اور اثر قبول کرنے کے عنصر کو فراموش نہیں کر سکتے۔ تاریخی واقعات اعتماد کئے جانے اور قابل بھروسہ ہونے کے اعتبار سے ایک جیسے نہیں ہوتے، بعض تو ایسے عظیم اور شاندار ہوتے ہیں جو قوموں سے اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ وہ انہیں قبول کریں اور ان سے راہنمائی لیں تاکہ درستگی اور کامیابی کی راہ پر گامزن ہو سکیں، جبکہ بعض واقعات اتنے گھٹیا اور معمولی ہوتے ہیں کہ وہ اس قابل بھی نہیں کہ انہیں ذکر کیا جائے چہ جائیکہ ان پر اعتماد کیا جائے۔

قصہ گو کا اصل کردار اہم واقعات کو تحریر کرنا اور اس پر اس انداز میں روشنی ڈالنا ہے جس میں وہ قاری کو واقعات وحقائق کے ساتھ جوڑے رکھے اور قصہ کو پراثر اور قابل فائدہ ہونے کی قدرت عطا کرے۔

اب چنانچہ ہم سنت نبویہ میں مذکورہ قصوں کے متعلق گفتگو کرنا چاہ رہے ہیں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم کتاب کے آغاز میں اپنے موضوع کا تفصیلی تعارف کروا دیں، اس کے ساتھ ساتھ معلومات کے پہنچانے کا اہم ذریعہ ہونے کے بارے میں قصہ کی اہمیت پر روشنی ڈالیں۔ پھر ہم اسلوب قصصی میں نبی کریم ﷺ کے انداز اور اس پر قرآنی منہج کے اثرات کا تذکرہ کریں اور آخر میں ہم سنت کے قصوں اور واقعات کے عناصر کو بیان کریں گے اور ساتھ ساتھ اس میدان میں صداقت کی تلاش کی اہمیت کا ذکر کریں گے۔

یہ ہے ہمارا مقصود آنے والے مضامین سے...!

واللّٰہ تعالیٰ ھو الموفق، والھادی الی سواء السبیل

(۱) ﴿قصہ کی لغوی واصطلاحی تعریف﴾

لغوی معنیٰ:

لفظ ''قصہ'' کا مادہ (یعنی ''قــص'') قرآن مجید میں مختلف مقامات پر استعمال ہوا ہے، اس کے معانی بھی مختلف ہیں۔

۱۔ یہ لفظ ''نشان قدم کی پیروی کرنا'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿''وَقَالَتْ لِأُخْتِهٖ قُصِّيْهِ''﴾ (سورۃ القصص ۱۱)

''اور اس کی بہن سے کہا کہ اسکے پیچھے پیچھے چلی جا۔''

اس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿''فَارْتَدَّا عَلٰى آثَارِهِمَا قَصَصًا''﴾ (الکھف ۶۴)

''وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹ گئے۔''

اسی طرح امام بخاریؒ کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ذکر کردہ حدیث جس میں خبیب بن عدی اور ان کے نو ساتھیوں کی شہادت کا ذکر ہے، اس حدیث میں بھی ''فَاقْتَصُّوْا آثَارَهُمْ'' کا لفظ آیا ہے، جس کے معنیٰ ہیں ''وہ ان کے نشان قدم کی اتباع میں ان کے پیچھے چلے''۔ (اس روایت کو امام بخاریؒ نے کتاب الجہاد والسیر میں ذکر کیا ہے)۔

لفظ ''قصّ'' کا اصل معنیٰ یہی ہے یعنی نشان قدم کی پیروی کرنا پھر اصل معنیٰ اور لفظ قصہ میں وجہ مشابہت یہ ہے کہ قصہ گوئی کرنے والا واقعات کے پیچھے چلتا ہے اور انہیں بیان کرتا ہے۔

۲۔ لفظ ''قصّ'' کبھی بیان کرنے اور وضاحت کرنے کے معنیٰ بھی ادا کرتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

﴿إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ أَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ (سورة النمل ۷۶)

"بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے اکثر باتیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں، بیان کردیتا ہے۔"

یہ معنی بھی پہلے معنی سے ملتا جلتا ہے کیونکہ قصہ گوئی کرنے والا خبروں اور واقعات کی تلاش و چھان بین میں قصے کے مفاہیم و معانی کو لوگوں کے سامنے واضح کرکے اور کھول کر بیان کرتا ہے۔

۳۔قصہ کا تیسرا معنی ہے "خبر دینا"۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ﴾ (سورة غافر ۷۸)

"اور ہم نے تم سے پہلے (بہت سے) پیغمبر بھیجے۔ ان میں کچھ تو ایسے ہیں جن کے حالات تم سے بیان کردیے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات بیان نہیں کیے۔"

یہ معنی بھی پہلے معنی کی طرف راجع ہے کیونکہ واقعات کی تحقیق و تلاش مقصود بالذات نہیں ہوتی بلکہ اس سے مقصود خبر دینا اور متوجہ کرنا ہوتا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ لفظ قصہ کا بنیادی معنی کسی چیز کی تلاش، اس کی وضاحت اور اس کی خبر دینے کے ارد گرد گھومتا ہے۔

اصطلاحی تعریف:

علماء ادب کے نزدیک قصہ کی اصطلاحی تعریف یہ ہے:

"ایسے واقعات کی خبر دینا جو خیالات یا حقائق یا ان دونوں سے حاصل ہوں اور

ان کی بنیاد ادبیانہ فنون کے معینہ قواعد پر رکھی جاتی ہے''۔

قصہ کی اقسام:

علماء نے قصہ کی لمبائی اور چھوٹائی کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی مندرجہ ذیل اقسام بیان کی ہیں:

(۱) نوادر: وہ مختصر قصہ جو اختصار کی وجہ سے چند صفحات میں سمٹ جائے، اسے ''اُقصوصہ'' بھی کہا جاسکتا ہے۔

(۲) وہ مختصر قصہ جو اقصوصہ سے کچھ طویل ہو، ادباء کی نظر میں معلومات کی فراہمی میں اس کی تاثیر طویل قصہ سے زیادہ ہوتی ہے، اس کی توجہ ایک فکر کی طرف مرکوز ہوتی ہے اور باقی چیزوں سے اعراض کرتی ہے، قاری کے لئے اسے آسانی کے ساتھ ایک نشست میں پورا پڑھنا ممکن ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کی تاثیر میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔

(۳) ایسا ناول جو بہت سے ابواب اور فصلوں پر مشتمل ہوتا ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات یہ کئی کئی جلدوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

قصصِ سنت اور رائج الوقت قصہ نگاری میں فرق

نبوی قصوں اور رائج الوقت قصہ نگاری میں کچھ فرق ہے، وہ یہ کہ نبوی قصوں سے مقصود تربیت وتنبیہ اور اصلاح ہے نہ کہ تاریخ...... اور ان کے قائل بھی رسول اللہ ﷺ ہیں جنہیں کلمات کی جامعیت عطا کی گئی ہے، جس کی وجہ سے آپ ﷺ کا کلام الفاظ کے اعتبار سے قلیل جبکہ معنی کے اعتبار سے کثیر ہوتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ قصصِ سنت میں بھی قصہ کے مدلول کو عمومی طور پر ثابت کیا جاتا ہے۔ خواہ اس کے الفاظ مختصر ہوں یا مقصودی غرض سے انہیں طویل کیا جائے، لہذا سب سے زیادہ قابل ذکر امر یہ ہے کہ نبوی الفاظ کو ایک

ایسی صورت میں ڈھالا گیا جو ایک مکمل واقعہ کی طرف راہنمائی کرتی ہے جو ابتداء، درمیان اور انتہاء پہ مشتمل ہوتی ہے۔

مذکورہ گفتگو کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ بعض ائمہ حدیث نے قصہ کے رنگ میں آنے والی احادیث نبویہ کو قصہ سے تعبیر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام نبوی کا واقعات وحوادثات پر مشتمل ہونا ہی مقصود ہے اگرچہ عبارت مختصر ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے امام بخاری کا عنوان "باب قصہ زمزم" اور امام مسلم کا عنوان "باب قصة اصحاب الاخدود والساحر والراھب والغلام"۔

(۲) ﴿سنت کی تعریف﴾

سنت کا لغوی معنی "طرز زندگی، طریقہ اور چال چلن" ہے۔

اصطلاحی معنی میں اہل علم کی اصطلاحات کے اعتبار سے فرق پیدا ہو جاتا ہے، علماء حدیث کا خیال یہ ہے کہ "سنت سے مراد حضور ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات ہیں، خواہ ان اعمال کو آپ ﷺ نے وجوب کے طور پر کیا ہو یا غیر وجوب کے طور پر"۔

فقہاء کے نزدیک سنت سے مراد وہ عمل جو شرعاً نہ فرض ہو نہ واجب، جیسے وضو اور نماز کی سنتیں، نیز بلفظ سنت کا اطلاق بدعت کے مقابلہ پر بھی کرتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں "فلاں اہل سنت میں سے ہے"۔

علماء اصولیین کے نزدیک "نبی کریم ﷺ کے وہ اقوال (قرآن کے علاوہ)، افعال اور تقریرات جو حکم شرعی کی دلیل بننے کے قابل ہوں، سنت کہلاتے ہیں"۔

ان تمام معانی میں سے ہمارے نزدیک سب سے راجح معنی پہلا ہے، کیونکہ ہمارا مقصود سنت کے قصوں کو بیان کرنا ہے، خواہ وہ فرض کے ساتھ متعلق ہوں یا مباح کے ساتھ..... خواہ حکم شرعی کی دلیل بننے کے قابل ہوں خواہ نہ ہوں۔

دعوت الی اللہ میں قصہ کی تاثیر:

دعوت کے دو معنی آتے ہیں:

(۱) پھیلانا، نشر کرنا، پہنچانا۔

(۲) دین۔

قصہ کا اثر ان دونوں معانی میں بالکل واضح ہے۔

اگر دعوت سے مراد نشر و بلاغ لیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ قصہ کے ذریعہ معلومات کی فراہمی پر قدرت حاصل ہوتی ہے اور ایسے فوائد حاصل ہوتے ہیں جن سے نثر کے دوسرے فنون تہی دامن ہیں۔

دعوت میں قصوں سے حاصل ہونے والے فوائد:

۱۔ انسان قصوں سے دلچسپی رکھتا ہے، اس کی فطرت قصوں کی طرف مائل ہوتی ہے، جب اس کے سامنے قصہ کے کسی ایک جز کو بیان کیا جاتا ہے تو اس کی چاہت ہوتی ہے کہ مزید تفصیل کو اس کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ یہ سارے قصہ کو سن لے۔

استاد بہی خولی فرماتے ہیں:

"کسی بات پر مطلع ہونے کی شدید حرص سننے والے کی آنکھوں، کانوں اور توجہات کو عمدہ قصہ گو کے ہونٹوں کے ساتھ معلق کر دیتی ہے، اس کی وجہ باقی ماندہ پوشیدہ خبروں کی معرفت کی شدید چاہت ہے"۔

قصہ کی طرف فطری میلان و رغبت کی ایک دلیل وہ صحیح حدیث ہے جس میں حضور ﷺ نے موسیٰ و خضر علیہما السلام کے قصہ کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: "ہماری خواہش تھی کہ موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے، تاکہ اللہ تعالیٰ ہمیں مزید ان کے واقعات سے آگاہ فرماتے"[۱]۔

---

۱ رواہ البخاری و مسلم والترمذی و احمد

کسی بھی قصہ کی طرف متوجہ ہونے والا قصہ کے کرداروں اور واقعات سے بالمقابل کوئی منفی موقف اختیار نہیں کرتا بلکہ صحیح سمجھ بوجھ یا غلط شعور کے باوجود اپنے آپ کو قصہ کے واقعات میں گھساتا ہے اور کبھی اس موقف سے راضی ہوتا ہے کبھی ناراض ہوتا ہے اور کبھی اس سے اثر لیتا ہے۔

یہ بات بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ لوگوں کا قصوں اور واقعات کی طرف متوجہ ہونا اور ان کے رونما ہونے کی خواہش ان کے دلوں میں قصوں کے مضامین کی گہرائی کو پیدا کرتی ہے اور انہیں قصوں کے استیعاب اور واقعات سے اثر لینے کی چاہت عطا کرتی ہے۔

(۲) اوامر ونواہی کی حیثیت محض نظریات کی سی ہے، حقیقت میں ان کی تائید کرنے والا کوئی اور پہلو موجود نہیں، اس صورت میں اوامر ونواہی کو یہ بہانہ بنا کر غیر ضروری قرار دیا جاسکتا تھا کہ یہ طاقت سے باہر ہیں۔

اس صورت میں قصے عملی تربیت کا وہ اسلوب ثابت ہوتے ہیں جو ناجائز شہوات کے زور کو توڑتا ہے، حق کو اختیار کرنے والوں کے ارادوں کو پختگی اور جلا بخشتا ہے، کیونکہ وہ اپنے سے پہلے لوگوں کے طرز عمل کو دیکھ کر اس پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''نفس اپنے اردگرد کی ملتی جلتی اشیاء سے مکمل طور پر مانوس ہوتا ہے اور اجنبی اور انوکھی چیزوں سے اجنبیت محسوس کرتا ہے''

اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کرامؓ کو تاریخ کی چھان بین کی تلقین کرتے تھے۔ ان لوگوں کی تاریخ جنہوں نے حق کے راستہ میں ثابت قدمی دکھائی۔ حضور ﷺ جب بھی اپنے صحابہ کے عزائم کو تقویت دینا چاہتے یا انہیں مشکلات کا سامنے کرنے کی ترغیب فرمانا چاہتے تو ماضی کے واقعات ان کے سامنے بیان فرماتے۔

خباب بن ارت فرماتے ہیں: ہم نے حضور ﷺ سے شکایت کی، اس حال

میں کہ آپ کعبہ کے سائے میں اپنی چادر سے ٹیک لگا کر تشریف فرما تھے، ہم نے کہا، ''آپ ہمارے لئے مدد کیوں نہیں اتروا دیتے؟ آپ ہمارے لئے اللہ سے دعا کیوں نہیں کرتے؟'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''گزشتہ لوگوں میں سے ایک آدمی کو لایا جاتا تھا، زمین میں گڑھا کھود کر اسے گڑھے میں رکھا جاتا تھا، پھر ایک آرے کو اس کے سر پر رکھ کر اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا لیکن وہ اپنے دین کو نہ چھوڑتا تھا، لوہے کی کنگھیوں سے اس کی ہڈیوں اور پٹھوں سے گوشت اتارا جاتا تھا لیکن وہ اپنے دین کو نہ چھوڑتا تھا، خدا کی قسم! یہ دین اتنا پھیلے گا کہ مقام صنعاء سے مقام حضرموت تک سفر کرنے والے کو اللہ اور اپنی بکریوں پر بھیڑیے کے علاوہ کسی کا خوف نہ ہوگا، لیکن تم بہت جلدی کرتے ہو''۔[1]

(۳) قصہ کو سمجھنا آسان ہوتا ہے اور اس کی مقبولیت عوام وخواص میں یکساں ہوتی ہے، اسی وجہ انسان نے اپنے وجود کے ساتھ ہی قصوں کو لازم قرار دیا، آج ہمارے دور میں بھی قصہ کو ایسی مرکزی حیثیت حاصل ہے جس نے اسے عالمی ادب میں صف اول کے مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔

مذکورہ فوائد کے پیش نظر قصہ دعوت کا اہم ستون اور قوی ترین ذریعہ ہے، قصوں کی طرف لوگوں کی رغبت اور میلان کے پیش نظر دل قصوں کے لئے ایسے کھلے ہوئے برتن بن چکے ہیں جن میں داعی جو کچھ چاہے داخل کر سکتا ہے اور وہ دعوت لوگوں کے دل میں قرار پکڑ سکتی ہے۔

قصہ کے واقعات واشخاص کے ساتھ وجدانی مشارکت کی وجہ سے داعی کے لئے ممکن ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کی ہمتوں کو برانگیختہ کرے اور درست راہ کی طرف ان کی راہ نمائی کرے۔

ڈاکٹر تہامی نقرہ لکھتے ہیں:

''تربیتی تجربات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ دلوں پر سب سے زیادہ اثر انداز ہونے دینی مواعظ وہ ہوتے ہیں جو قصہ کے اسلوب میں پیش کئے جائیں، یہ قصہ

[1] اخرجہ البخاری وابوداؤد

کے کرداروں کی وجدانی مشارکت کی بناء پر واقعات سے اثر لینے اور نظریات کی قبولیت پر ابھارنے کا ذریعہ بنتے ہیں"۔

دعوت کی مبادیات کو قصہ کے اسلوب میں پیش کرنے سے انسان کا دل برے خیالات کے حامل لوگوں سے نفرت کرتا ہے اور اس کا دل اچھے لوگوں کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور اسے اس بات پر ابھارتا ہے کہ برے لوگوں کے راستے سے باز رہے اور اچھے لوگوں کے راستے پر چلے۔

اسی وجہ سے سنت نبویہ کا ایک ذخیرہ واقعاتی طرز بیان پر مشتمل ہے تاکہ لوگ دین کی بنیادوں کو مضبوط کریں اور اس کی بلند تعلیمات سے آگاہی حاصل کریں۔ یہ اسلوب دوسرے وسائل دعوت کے ساتھ نیک افراد اور ترقی یافتہ معاشرہ کے وجود کا سبب بنتا ہے۔

اگر دعوت کا دوسرا معنی یعنی "داعی" مراد لیا جائے تو اس صورت میں قصہ کا کردار عقیدہ، عبادات اور اخلاق کی پختگی سے متعلق ہوگا، اس سے ہر انسان کے لئے... چہ جائیکہ وہ داعی ہو...... ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ نصوص سنت سے مستفاد صحیح ترین قصوں سے اپنے اغراض ومقاصد میں راہ نمائی حاصل کرے۔

میں نے اپنی اس بحث میں قصہ جات پر مشتمل احادیث نبویہ ﷺ کو پیش کیا ہے، اس میں دعوت اور داعی کے طرز کو اختیار کیا ہے، اس کی وجہ دوسرے معنی کو پیش نظر رکھنا ہے تاکہ مطلوبہ فائدہ حاصل ہو جائے اگرچہ آپ اس طرز میں دوسرے لوگوں کی بہ نسبت داعی حضرات کے لئے زیادہ سامان بہتری پائیں گے کیونکہ ان کی درستگی بہت سے لوگوں کی درستگی ہے۔

(۳) ﴿قرآنی واقعات اور قصص نبویہ پر ان کے اثرات﴾

قرآن مجید کی تعلیمات کا ایک بہت بڑا حصہ قصوں پر مشتمل ہے، یہاں تک کہ

تقریباً ایک چوتھائی قرآن مجید واقعاتی طرز بیان پر محیط ہے۔

واقعاتی انداز دعوت کا ظہور قرآن مجید کے نزول کے ابتدائی دور میں مکہ مکرمہ میں ہی ہو گیا تھا، لہٰذا اس طرز بیان نے دین کے بنیادی قواعد اور دین کی علامات کی وضاحت میں بھرپور حصہ لیا۔ قرآنی قصوں کے بارے میں خود حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں:

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ﴾ (سورۃ یوسف:۳)

''(اے پیغمبر) ہم اس قرآن کے ذریعے سے جو ہم نے تمہاری طرف بھیجا ہے تمہیں ایک نہایت اچھا قصہ سناتے ہیں اور تم اس سے پہلے بے خبر تھے۔''

قصوں کے ذکر کرنے کا مقصد حق تعالیٰ نے یوں آشکار فرمایا:

﴿فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾

(سورۃ الاعراف:۱۷۶)

''تو (ان سے) یہ قصہ بیان کر دو تاکہ وہ فکر کریں۔''

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (سورۃ یوسف:۱۱۱)

''یہ (قرآن) ایسی بات نہیں ہے جو (اپنے دل سے) بنائی گئی ہو بلکہ جو (کتابیں) اس سے پہلے (نازل ہوئی) ہیں ان کی تصدیق (کرنے والا) ہے اور ہر چیز کی تفصیل (کرنے والا) اور مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔''

قرآن حکیم دعوت کی مبادیات میں اسلوب قصہ کی طرف متوجہ ہوا ہے، کیونکہ یہ

اسلوب بندوں کی راہ نمائی جیسے اعلیٰ مقصود کا حامل ہے، اور عربی شخص کی قصوں میں رغبت اور ان سے لطف اندوز ہونے کی تو بات ہی کیا ہے۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿"وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا"﴾ (سورة لقمان. ۶)

"اور لوگوں میں بعض ایسا ہے جو بیہودہ حکایتیں خریدتا ہے تاکہ (لوگوں کو) بے سمجھے خدا کے رستے سے گمراہ کرے اور اس سے استہزا کرے۔"

اس آیت کی تفسیر میں علامہ زمخشری نے ایک واقعہ نقل کیا ہے:

"نضر بن حارث عجمی گذشتہ لوگوں کی کتابیں خرید کر قریش کو ان کے واقعات سنایا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ" محمد (ﷺ) تمہیں عاد و ثمود کے قصے سناتے ہیں، میں تمہیں رستم، بہرام، ایران اور حیرہ کے بادشاہوں کے قصے سناتا ہوں"۔

اسی وجہ سے قرآن مجید میں واقعاتی طرز بیان کو خاص اہمیت اور بہت ہی جگہ دی گئی اور مکہ میں قرآن کے نزول کی ابتداء کے ساتھ ہی قصوں کا ظہور شروع ہو گیا تاکہ اس اسلوب کو بنیادی تعلیمات اور قواعد اسلام کی تاسیس میں حصہ مل سکے۔

قرآن مجید کا واقعاتی انداز دعوت کو استعمال کرنا ہر اس شخص کی اس بات پر حوصلہ افزائی کرتا ہے جو قرآن کے ساتھ اپنا تعلق جوڑتا ہے کہ وہ اپنی دعوت میں ان قصوں کو استعمال کر کے ان سے راہ نمائی حاصل کرے۔

قرآنی قصہ جات کو اپنی دعوت میں استعمال کرنا داعی اول ﷺ کی زندگی میں جھلکتا ہوا نظر آتا ہے، آپ ﷺ قرآنی قصوں سے لطف اندوز ہوتے اور ان میں لذت و سرور محسوس فرماتے۔ جیسا کہ موسیٰ و خضر علیہما السلام کے قصہ میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''میری خواہش ہے کہ موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے تاکہ اللہ تعالیٰ مزید ہمیں ان کے حالات سے آگاہ فرماتے''۔

حضور ﷺ کا قرآنی قصہ جات سے متاثر ہونا محض ایک بلا فائدہ تاثر نہ تھا کہ جس میں سوائے لذت و لطف اندوزی کے کچھ نہ ہو، بلکہ اس تاثر کا اثر حضور ﷺ کی زندگی میں دو اعتبار سے ظاہر ہوا۔

(ا) حضور ﷺ کا اپنی زندگی اور اخلاق و عادات میں قرآنی قصوں سے متاثر ہونا:

(ا) ایک صحیح حدیث میں وارد ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے غزوہ حنین میں مال غنیمت تقسیم کیا تو بعض لوگوں کو ترجیح دی، ایک آدمی نے عرض کیا، ''اس تقسیم میں انصاف نہیں کیا گیا اور اس میں اللہ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا'' یہ سن کر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر اللہ اور اس کا رسول انصاف نہیں کریں گے تو کون انصاف کرے گا؟ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے کہ انہیں اس سے زیادہ تکالیف دی گئیں لیکن انہوں نے صبر کیا''۔[1]

(ب) ایک صحیح حدیث میں وارد ہے، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو اتنا کھلکھلا کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہو جائیں، آپ تو محض مسکرایا کرتے تھے''، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، ''جب آپ ﷺ بادلوں یا ہوا کو آتے ہوئے دیکھتے تو آپ کے چہرہ پر پریشانی کے آثار دکھائی دیتے''۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا، ''یا رسول اللہ! لوگ جب بادلوں کو دیکھتے ہیں تو اس امید پر خوش ہوتے ہیں کہ اس میں بارش ہوگی، حالانکہ میں آپ کو دیکھتی ہوں کہ بادل کو دیکھ کر آپ کے چہرہ انور پر ناگواری کے اثرات ظاہر ہو جاتے ہیں؟'' حضور ﷺ نے

---

[1] رواہ البخاری و مسلم و الترمذی و احمد

فرمایا: ''اے عائشہ! مجھے کس چیز نے اس بات سے مامون کر دیا کہ اس میں عذاب ہو؟ ایک قوم کو ہوا کا عذاب دیا گیا، ایک قوم نے عذاب کو دیکھا تو کہا: "یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا''۔[1]

یہ حضور ﷺ کے قرآنی قصوں سے متاثر ہونے کی دلیل ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ آپ ﷺ قصہ جات میں موجود عبرتوں اور نصیحتوں کے تقاضے پر عمل فرمایا کرتے تھے۔

(۲) حضور ﷺ کا احادیث میں واقعاتی اسلوب کو استعمال کرنا:

حضور ﷺ نے اپنی بعض احادیث میں واقعاتی اسلوب کو استعمال فرمایا اور ہمارے لئے دعوت کے موضوعات پر مختلف قصوں کو چھوڑا، اس طور پر کہ قرآنی قصوں کے بعد نبوی قصوں کو بھی سامان عبرت بنایا جائے۔

استاذ بہی خولی کہتے ہیں:

''وہ واقعات جن کے ذریعہ عبرت و موعظت کا حصول ضروری ہے ان میں رسول اللہ ﷺ کے بیان کردہ واقعات بھی شامل ہیں، یہ وہ قصے ہیں جنہیں رسول اکرم ﷺ نے اقوام کی تاریخ سے اس لئے اخذ کیا تاکہ اپنے مقصود و معانی کو حقیقت بھرے انداز میں واضح فرمائیں ان قصوں کا مقام و مرتبہ قرآنی قصوں کے بعد سب سے بلند ہے''۔

احادیث نبویہ میں ان قصوں کی بہتات اور کثرت اس روایت سے معلوم ہوتی ہے جس میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی اکرم ﷺ ہمیں بنی اسرائیل کے واقعات سنایا کرتے تھے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی پھر آپ ﷺ فرض نماز کی ادائیگی کی تیاری فرماتے''۔

---

[1] اخرجه البخاري ومسلم وابوداؤد واحمد

(4) ﴿نبوی قصوں کی خصوصیات﴾

ہم نے پہلے بھی ذکر کیا کہ نبوی قصوں سے مراد وہ واقعہ لیا جاتا ہے جس میں اسلوب قصہ کا مدلول عام محقق اور ثابت ہو یعنی اس کی ابتداء، درمیان اور انتہا موجود ہو، اس میں کلمات کے حجم و تعداد وغیرہ کا لحاظ نہیں ہوتا۔

بعض چیزوں میں قصص نبویہ جدید طرز قصہ کے ساتھ مل جاتے ہیں لیکن مفہوم کے اعتبار سے ان میں باہم فرق ہوتا ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ ہم نبوی واقعات وقصص کی خصوصیات کو بیان کریں تا کہ نبوی قصوں اور رائج الوقت قصہ جات میں واضح فرق کو معلوم کر سکیں۔

ابتداء میں اس بات کا جان لینا بہت ضروری ہے کہ نبوی واقعات کی خصوصیات کی تائید ہمیں جدید قصہ گوئی کے فنون سے حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ یہ نبوی الفاظ کا ہی خاصہ ہیں، اس لئے کہ نبوی واقعات موجودہ دور کے انداز قصہ سے بہت مختلف ہیں، یہ بات غلط فہمی اور بیوقوفی سے خالی نہیں کہ ہم اللہ کی طرف سے وحی کردہ نبوی قصوں جنہیں چودہ سو سال پہلے نازل کیا گیا، کا مقابلہ موجودہ دور کے قصوں سے کریں اور ان قصوں میں ایسے عناصر وفنون کو تلاش کریں جو موجودہ دور کے واقعات میں پائے جاتے ہیں۔

نبوی قصوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مبارک قصے مندرجہ ذیل بڑے ترکیبی اجزاء پر مشتمل ہیں۔

(۱) موضوع ومرکزی خیال (۲) اسلوب وطرز (۳) ہدف ومقصود

اس موقع پر ان مندرجہ بالا امور اور نبوی قصوں کے اہم خصائص کے متعلق سیر حاصل گفتگو کی جائے گی۔

(۱) قصص نبویہ کا موضوع اور اس کی خصوصیات

وہ موضوع یا مرکزی خیال جس کے گرد قصہ گھومتا ہے اس کی مثال قصہ کے مغز

کی سی ہوتی ہے اور یہی قصہ کی روح ہے جو اسے زندگی سے نواز دیتا ہے۔

ابوعباس احمد قلقشندی اپنی کتاب "صبح الاعشیٰ" میں لکھتے ہیں:

"یہ بات آپ کے علم میں ہونی چاہیے کہ الفاظ کے لئے معانی کی مثال ایسے ہے جیسے بدن کے لئے کپڑے۔ لہٰذا الفاظ تابع ہیں اور معانی متبوع الفاظ کی خوبصورتی معانی کی خوبصورتی کی وجہ سے ہوتی ہے بلکہ معانی الفاظ کی ارواح اور ان کی وضع کا مقصد ہیں، معانی پر الفاظ کی بنیاد ہے، بلیغ شخص معانی کی درستگی کا الفاظ کی خوبصورتی سے بڑھ کر محتاج ہوتا ہے، اس لئے کہ اگر معنی درست ہے لیکن الفاظ فصاحت کے اسلوب سے گرے ہوئے ہیں تو یہ کلام ایک ایسے بدصورت انسان کی مانند ہوگا جس میں روح موجود ہو، لیکن اگر معنی درست نہ ہو تو یہ کلام روح سے خالی شدہ انسان کی طرح ہوگا اگرچہ اعلیٰ درجہ کا حسین وخوبصورت ہی کیوں نہ ہو"۔

اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ قصص نبویہ میں اس جز کو اس قدر ملحوظ خاطر رکھا گیا کہ اسے اہتمام عطا کیا گیا اور عبرت ونصیحت کا سامان قرار دیا گیا۔

یہ توجہ ایک منطقی امر تھی کیونکہ ان قصوں سے حضور ﷺ کا مقصود تربیت و راہ نمائی تھی، اسی وجہ سے قصہ اور اس کے تمام اجزاء بذات مقصود نہیں بلکہ قصوں کی تعلیمات، ونصائح اور عبرتیں مقصود ہیں۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سنت نبویہ میں آنے والوں کی شخصیات کو انجان اور غیر معروف رکھا جاتا ہے تاکہ ذہن قصہ کے موضوع کو سمجھ لے اور فائدہ مقصود حاصل ہو جائے۔

قصص سنت کے موضوع اور مرکزی خیال کی اہم خصوصیات درج ذیل ہیں:

(۱) شعور وادراک کے تقاضوں کی رعایت:

مختلف معانی ومضامین مل کر ایک کامیاب قصہ کو جنم دیتے ہیں لیکن اس کے لئے موضوع کے انتخاب اور اسے بیان کرنے کی استعداد وغیرہ کا ہونا بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ بات بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ قصہ کے معیار اور اس سے استفادہ کرنے میں معانی و موضوع کو مرکزی حیثیت حاصل ہے لیکن معانی کو قصہ کے معیار میں مستقل مقام حاصل نہیں بلکہ اس معیار کو پیدا کرنے کے لئے ایک بنیادی جز کی ضرورت پیش آتی ہے اور وہ بنیادی جز شعور وادراک کے تقاضوں کی رعایت کرنا اور انہیں حقیقت بھرے انداز میں پیش کرنا ہے۔

شعور وادراک کے تقاضوں کی رعایت سے مراد یہ ہے کہ قصہ زمان ومکان کی قیود وحدود سے پاک ہوتا کہ پوری زندگی کا احاطہ کر سکے اور اس کے آثار ونشانات قصہ کے کرداروں کے فناء ہو جانے کے بعد بھی باقی رہیں۔

یہ مذکورہ قول کامیاب اور ناکام قصوں کے درمیان فیصلہ شدہ قول ہے۔

استاد محمد قطب فرماتے ہیں:

"بعض قصہ گو واقعات وشخصیات کو ہمارے لئے انتہائی باریک بینی اور عمدگی کے ساتھ بیان کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے قصے ان مخصوص شخصیات وواقعات کی سرحد سے تجاوز نہیں کرتے اور نہ ہی اس زمانہ کے دائرہ سے باہر ہوتے ہیں جس میں یہ واقعہ رونما ہوا۔ جبکہ بعض قصہ گو ایسے بھی ہوتے ہیں جو واقعات کو بیان کرنے کے بعد ہمیں ایک ایسا نکتہ نظر عطا کرتے ہیں جو زندگی کی تمام حالتوں میں ہماری راہنمائی کرتا ہے، خواہ زندگی کے دائمی حالات ہوں، اس کے اوضاع کونیہ ہوں یا اقتدار شاملہ۔ ان میں سے بعض تو ان حالات سے متعلق کوئی مخصوص گفتگو نہیں کرتے بلکہ ہمیں دعوت دیتے ہیں کہ ہم قصہ میں مذکور کرداروں کو سامنے رکھتے ہوئے دائمی انسانیت کی طرف سرایت کریں جیسا کہ قصہ گو کی بصیرت میں ہے، لہٰذا یہ واقعہ جز بھی ہے کل بھی اور یہ شخصیت فرد بھی ہے اور مثال بھی۔

ان میں سے بعض قصہ گو اس لاجواب طرز بیان کو اختیار کرنے میں اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ اس کے بشری کردار تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ لمبی عمر کے حامل

بن جاتے ہیں اور اس قصہ کے پیش آمدہ واقعات زمانہ کے ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں۔ بلاشبہ یہ معیار پہلے معیار سے بہت بلند ہے۔

مذکورہ بحث سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ قصہ زندگی ہے اور محض محدود مختصر واقعات ہی قصہ کا موضوع نہیں بلکہ ابدی واقعات جو وقتی واقعات سے ظاہر ہوتے ہیں اور ابدی انسانی مثالیں جو فردی شخصیات کے تناظر سے منظر عام پر آتی ہیں یہی درحقیقت قصہ کا حقیقی موضوع ہیں"۔

نبوی قصوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصے بھی زمان و مکان کی حدود سے پاک ہیں اور ان کا انداز بیان ایسا ہے کہ ہر زمانہ میں اور ہر جگہ ان کو منطبق اور لاگو کرنا ممکن ہے، اس سلسلہ میں نبوی قصے قرآنی قصوں کی طرح ہیں جنکی تاثیر زمان و مکان کی پابند نہیں بلکہ ان کی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمائی ہے:

﴿"لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ"﴾ (سورۃ یوسف: ۱۱۱)

"البتہ ان کے قصوں میں عبرت ہے عقل والوں کے لئے، یہ کوئی بنائی ہوئی بات نہیں بلکہ اس کلام کے موافق ہے جو اس سے پہلے ہے اور ہر چیز کا بیان ہے اور ایمان والوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔"

(۲) حقیقت و صداقت پر مشتمل ہونا:

نبوی قصوں کی دوسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں حقیقت و صداقت کو مدنظر رکھا گیا ہے، اس خصوصیت کو جاننے سے پہلے نبوی قصوں کے بیان میں حقیقت و صداقت کی مراد کو جاننا ضروری ہے۔

نبوی قصوں پر حقیقت وصداقت کا لفظ دو طرح سے صادق آتا ہے:

(۱) نبوی قصوں میں قصوں کے مرکزی خیال اور موضوع کے انتخاب میں محض خیالات وتصورات کا سہارا نہیں لیا گیا بلکہ حقائق عالم کو سامنے رکھتے ہوئے موضوعات کو اختیار کیا گیا ہے۔

لفظ ''قصہ'' اور لفظ ''اسطورۃ'' کے درمیان یہی فرق ہے کہ قصہ میں کسی رونما ہونے والی چیز کے پیچھے چلنے کا معنیٰ ہے اور اس میں اصل وضع کے اعتبار سے صداقت پائی جاتی ہے۔

اس کی روشن مثال یہ ہے کہ کسی جرم کی تفتیش کے لئے کھوجی سے رجوع کیا جاتا ہے وہ نشانات قدم کا کھوج لگاتا ہے اور انگلیوں کے نشانات کو دیکھتا ہے تاکہ جرم کی تہہ تک پہنچ سکے، اسی طرح قصہ گو بھی واقعات کو نہ گھڑتا ہے نہ اختراع کرتا ہے اور نہ وہمی باتیں کرتا ہے بلکہ وہ صداقت وحقیقت کو قصہ کے موضوع کے لئے اختیار کرتا ہے۔

جبکہ علماء لغت کے قول کے مطابق ''اسطورۃ'' میں جھوٹ و افتراء کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے جھوٹے اور من گھڑت واقعات پر لفظ قصہ کا اطلاق کرنا حق وباطل کو گڈمڈ کر دیتا ہے اور غلطی کو درستگی کے ساتھ ملاتا ہے جسے حق وباطل کی تلبیس اور خدا تعالیٰ پر بلا علم بات گفتگو کرنے سے تعبیر کیا جائے گا۔

یہ معاملہ یہاں آکر ٹھہر نہیں جاتا بلکہ اس جہالت اور گڑبڑ کا دوام انسانیت کو طرح طرح کے خطرناک امراض میں مبتلا کر دیتا ہے اور انہیں خیالات کا سہارا لینے اور حقیقت سے نظریں چرانے پر مجبور کر کے کڑوے اور تلخ حقائق سے عبرت حاصل نہ کرنے کا عادی بنا دیتا ہے۔

استاد انور جندی فرماتے ہیں:

''قصہ کو پیش آنے والی سب سے خطرناک چیز حقائق عالم کو نظر انداز کر کے خیالی اور غیر حقیقی چیزوں کی طرف متوجہ ہونا ہے، یہ عمل محروم اور عاجز لوگوں کو ان کی اہم

ضروریات میں خیالی اور وہمی سوچ عطا کرتا ہے، جس کے نتیجہ میں ان کی قوت کو ختم کر دیتا ہے ان کے ضمیر کو مار ڈالتا ہے انہیں عقل و دانش کی راہوں سے ہٹا دیتا ہے اور ان سے زندگی کی ذمہ داریوں کو اٹھا دیتا ہے"۔

مزید یہ کہ قصہ گوئی میں اس من گھڑت اور نامناسب طرز عمل نے بعض قلم کاروں کو اتنی جرأت دی کہ انہوں نے دین کی بنیادی باتوں اور روشن تعلیمات کو اپنا نشانہ بنایا۔

ہم اپنی سڑکوں پر ایسے خیالی واقعات و روایات کے اعلانات و اشتہارات کا مشاہدہ کرتے ہیں، ان کے ناموں کا انتخاب اس قدر فحش ہے کہ زبان پر لانا اس کو ناپاک کرنے کے مترادف ہے، ان اشتہارات میں ہمیں ترغیب دی جاتی ہے کہ ہم اخلاق کے اس گھٹیا ترین مقام کو دیکھیں جو ان جھوٹے اور خیالی واقعات میں بیان کیا گیا ہے۔

سب سے عجیب بات تو یہ ہے کہ بعض گمراہ لوگوں نے یہ خیال کیا کہ من گھڑت افسانے اسلامی قصوں اور بالخصوص قرآنی قصوں میں موجود ہیں، یہاں تک کہ پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حصول کے لئے ایک امیدوار نے ایک مقالہ لکھا جس کا نام "الفن القصصی فی القرآن الکریم" رکھا، اس مقالہ میں اس نے یہ دعویٰ کیا کہ قرآن میں بھی (معاذ اللہ) من گھڑت افسانے بیان کئے گئے ہیں اور ادبی قصوں کا خیالات واوہام پر مشتمل ہونا انہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ طرز قرآنی قصوں پر بھی صادق آتا ہے۔

قرآن یا حدیث میں ذکر کردہ قصوں کے متعلق ایسا دعویٰ کرنا کفر ہے کیونکہ ایسا کرنے والا کلام اللہ اور کلام رسول اللہ ﷺ میں جھوٹ کو ممکن قرار دے رہا ہے، اس کے ساتھ ساتھ یہ دعویٰ لوگوں کے دلوں کو قرآن مجید سے متنفر کرنے اور اس کے اللہ کی طرف سے نازل ہونے کو مشکوک کرنے والا ہے۔

(۲) نبوی قصوں میں حقیقت وصداقت کے وجود کا دوسرا معنی یہ ہے کہ ان میں انسانی حالات کی بھرپور عکاسی کی جاتی ہے جس میں جانب خیر اور جانب شر دونوں کو مدنظر

رکھا جاتا ہے۔

جب نبوی قصوں میں انسانیت کی جانب شر کو بیان کیا جاتا ہے تو ان سے مقصود انحراف کی اجازت دینا نہیں ہوتا بلکہ انسانوں سے اس بات کا تقاضا کیا جاتا ہے کہ وہ انسانیت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہونے کی کوشش کریں، یہ قصے نفوس انسانی کو پیش آنے والے ناگوار حالات کے متعلق گفتگو کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کو اہمیت دے کر بیان نہیں کیا جاتا بلکہ انسان کو ان سے اعلیٰ اور ارفع ہونے کا تصور دے کر ترقی کے حصول کی دعوت دی جاتی ہے۔

جوانب خیر پر مشتمل قصوں میں بنیادی نکتہ نظر ان سے فائدہ حاصل کرنا ہے اور ان کا مرکزی خیال اسی پر روشنی ڈالنے کے گرد و پیش رہتا ہے۔

اس اسلوب کی عملی مثال سو افراد کے قاتل کا قصہ ہے کہ پہلے اس کے خراب ماضی کو چند الفاظ میں بیان کیا گیا پھر باقی قصہ میں اس کی توبہ، غفلت سے دوری، اللہ تعالیٰ کا خوشی سے توبہ کو قبول کرنا اور توبہ کے راستہ کو مختصر کرتے ہوئے معصیت کے راستہ کو لمبا کرنے کا تذکرہ کیا گیا۔ قصہ کے استعمال اور تاثیری اسلوب کے سلسلہ میں نبوی قصوں کا معیار و مرتبہ گمراہ کن مغربی انداز قصہ سے بہت بلند ہے، لیکن الٹی گنگا بہہ رہی ہے کہ ان بلند مثالوں کے حامل قصوں کو فضول اور معمولی خیال کیا جارہا ہے۔

اس گمراہی میں مبالغہ کی وجہ سے ذلت و رسوائی کو عزت و شرافت کے رنگ میں اور ترقی و عظمت کو خرافت و بدبختی کے لبادہ میں پیش کیا جاتا ہے۔

یہ مفہوم مغربی قصوں وغیرہ میں نظر آتا ہے، ان کے مولفین محبت کا نام استعمال کر کے ان قصوں کو دلچسپ بنانے کی کوشش کرتے ہیں، عورت کو ایک قیمتی شکار کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے جس کو حاصل کرنے کے لئے دو یا دو سے زیادہ مرد تن من دھن کی بازی لگا دیتے ہیں۔ اسلام اس اسلوب کا ہر اعتبار سے انکار کرتا ہے اور انسانی تعلق کو اس کی ذات اور اس سے متعلق اشیاء جیسے دل و جسم کی طہارت کے ساتھ جوڑتا ہے اور دنیاوی

واخروی کامیابیوں کے ساتھ مربوط کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰاهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰاهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ (سورۃ الشمس: ۷تا۱۰)

''اور قسم ہے نفس اور اس ذات کی جس نے اسے درست کیا، پھر سمجھ دی اس کو ڈھٹائی کی اور بچ کر چلنے کی، تحقیق کامیاب ہے وہ شخص جس نے اس کو سنوار لیا اور نامراد ہے وہ شخص جس نے اسے خاک میں ملا کر چھوڑا۔''

(۲) قصص نبویہ کا اسلوب اور اسکی خصوصیات

قصہ میں اسلوب کی اہمیت معانی کے لباس کی سی ہے اگر لباس خوبصورت ہوگا تو معانی کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوگا اور اگر لباس میں کمزوری پائی گئی تو معانی کا حسن بکھر جائے گا۔

ابو عباس احمد قلقشندی اپنی کتاب ''صبح الاعشیٰ'' میں رقم طراز ہیں:

''الفاظ کی مثال معانی کے لئے ایسے ہے جیسے جسم کے لئے کپڑے، خوبصورت چہرہ کا حسن عمدہ اور قیمتی لباس کی وجہ سے بڑھ جاتا ہے اور بدصورت کی بدصورتی عمدہ لباس سے ختم ہو جاتی ہے جیسا کہ معمولی کپڑوں کی وجہ سے حسین شخص کا حسن بھی متاثر ہوتا ہے اور بدصورت کی بدصورتی میں اضافہ ہو جاتا ہے، بہرحال الفاظ معانی کا ظاہر ہیں معانی کی خوبصورتی سے الفاظ میں حسن پیدا ہوتا اور معانی کا بگاڑ الفاظ کو بھی بگاڑ دیتا ہے''۔

قصے محض واقعات و کرداروں کا نام نہیں بلکہ باہمی اختلاف و تنافر کے بغیر واقعات کے پیش کرنے اور کرداروں کو ترتیب دینے کی کوشش کو قصہ کہا جائے گا۔

نقدِ ادبی کے علماء نے اس ترتیب کو ''حبکہ'' کا نام دیا ہے، وہ اس کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"جبکہ یہ ہے کہ قصہ کے واقعات وکردار باہمی طور پر اس طرح ملے ہوئے ہو کہ انہیں ایک شمار کیا جائے اور ان کی دلالت محدود ہو"۔

قصص نبویہ ﷺ کے اسلوب میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جبکہ پوری طرح ان میں موجود ہے۔تاخیر کے مستحق کو مقدم اور تقدیم کے مستحق کو موخر نہیں کیا گیا۔ الفاظ اور معانی کے درمیان تنافر موجود نہیں اور ہر چیز مقدر شدہ ہے خواہ قصہ کے مرکزی خیال کے اعتبار سے ہو یا دوسرے لوازمات قصہ یعنی زمان ومکان اور کرداروں کے اعتبار سے۔

یہ اسلوب اس صنف کے ساتھ میل رکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ساتھ خاص فرمائی کہ یہ اپنی خواہش کے مطابق گفتگو نہیں کرتے بلکہ ان کی گفتگو بھی وحی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوْحٰى﴾

(سورة النجم: ۳،۴)

"وہ اپنے نفس کی خواہش سے نہیں بولتا، یہ تو (اللہ کی طرف سے) بھیجا ہوا حکم ہے۔"

نبوی قصوں کے اسلوب کی اہم خصوصیات درج ذیل ہیں:

(۱) اسلوب کی نظافت و پاکیزگی:

قصص نبوی ﷺ میں بیشتر اوقات انسان کو پیش آنے والے نازیبا حالات کا تذکرہ بھی کرنا پڑتا ہے لیکن اس کے لئے معمولی، نازیبا اور فضول قسم کے الفاظ استعمال نہیں کیے جاتے بلکہ ایسی تعبیرات اختیار کی جاتی ہیں جو زندگی کے تمام شعبوں میں اسلام کی پیش کردہ نظافت و پاکیزگی کی عکاسی کرتی ہیں۔

نظافت اسلوب کی کچھ مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) نامناسب صورتحال کی خبر دیتے ہوئے عفت و پاکدامنی سے بھرپور الفاظ کا استعمال اور نازیبا تعبیرات سے اجتناب۔ جیسا کہ اصحاب غار کے قصہ میں اس عورت کا قول ان الفاظ میں نقل کیا گیا جس کا چچازاد اسے بے راہ روی پر مجبور کر رہا تھا: ''اللہ سے ڈرو اور مہر کو اس کے حق کے بغیر نہ کھول''۔

اسی طرح کفل اور مجبور عورت کے قصہ میں ایک انتہائی غیر مناسب حالت کو مناسب ترین الفاظ کے سانچہ میں ڈھالا گیا کہ ''جب کفل اس عورت کے اس مقام پر بیٹھ گیا جہاں مرد اپنی بیوی کے لئے بیٹھتا ہے''۔

(۲) مذکورہ بیان کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ نامناسب اور نازیبا صورتحال کے بیان کے وقت گفتگو کو طوالت نہیں دی جاتی بلکہ اختصار کے دامن کو تھامتے ہوئے اور اخلاقی قدروں کو ملحوظ خاطر رکھتے بڑی تیزی کے ساتھ اصل مقصود کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

اس حقیقت کے جان لینے کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قصہ کی حقیقت میں اسلامی مزاج اور موجودہ نظریات میں زمین و آسمان کا فرق ہے، موجود مفکرین کہتے ہیں، ''ادب میں اخلاق کی کوئی اہمیت نہیں'' وہ یہ بھی کہتے ہیں ''ادب کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اخلاقی قواعد کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے عمل کو معطل کر دے''۔

اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغرب میں ان غیر اخلاقی نظریات و افکار کا مقابلہ کرنے کے لئے آوازیں بلند ہوئیں، چنانچہ ''مارزایک'' نامی ایک شخص جس کا تعلق ''چیکو سلواکیا'' سے تھا، اس نے ایک فرانسیسی وزیر ''لویس بارتو'' کو پیغام بھیجا:

''تمہارے جدید قصوں کے من گھڑت افسانے سفلی شہوانی جذبات کو ابھارتے ہیں اور بدنما جنسی محبت کو فروغ دیتے ہیں، تمہیں اس حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے کہ ہم ان جھوٹی کہانیوں اور من گھڑت روایات سے تنگ آچکے ہیں جن میں ایسی عورت کے علاوہ کسی کا تذکرہ نہیں ملتا جس سے شوہر کے علاوہ دو یا تین آدمی محبت کرتے ہیں اور وہ ان کی

خاطر اپنے شوہر کو مختلف طریقوں سے دھوکہ دیتی ہے اور یہ سلسلہ بلا انجام جاری رہتا ہے"۔

مازنی جنسیات پر مشتمل قصوں کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"مجھے اس ادیب پر بڑا تعجب ہے کہ وہ ان نازیبا قسم کے ناموں کو استعمال کر رہا ہے اور مرد و عورت کے باہمی تعلقات کو صراحت کے ساتھ بیان کر رہا ہے اور وہ کسی شخص کو ان کے مختلف اعضاء کے ناموں اور ان کے باہمی تعلقات کے حقیقت سے غافل نہیں رکھنا چاہتا"۔

(ب) کلام کا اختصار و جامعیت:

امام جاحظ، رسول اللہ ﷺ کے کلام کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یہ ایسا کلام ہے جس کے حروف کی تعداد کم لیکن اس کے معانی بہت زیادہ ہیں، یہ کلام تصنع اور تکلف سے بالکل پاک ہے"۔

کلام نبوی ﷺ کا یہ وصف تو عموی گفتگو کے اعتبار سے ہے، لیکن جب آپ ﷺ دینی اور روحانی تربیت کے پیش نظر کسی قصہ کو بیان فرماتے تو کلام کو حسب ضرورت طویل یا مختصر فرماتے۔ قابل فائدہ گفتگو میں کلام کو طول دیتے اور غیر مقصود احوال کے تذکرہ میں کلام کو انتہائی مختصر فرما دیتے۔

اور اسی چیز کا اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی کو حکم دیا کہ:

﴿قُلْ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾

(سورۃ ص: ۸۶)

"آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس پر کچھ بدلہ نہیں مانگتا اور نہ میں (بہ تکلف) اپنے آپ کو بنانے والوں میں سے ہوں"۔

نبوی قصوں میں اختصار کو ملحوظ رکھنے کا ایک فائدہ اور بھی ہے وہ یہ کہ قصہ کے

مقدمات اور نتائج کو باہم مربوط رکھنا جس کی وجہ سے اس کی تاثیر میں گہرائی پیدا ہوگی اور اس کا فائدہ کامل ہوگا۔

(۳) مرکزی خیال اور اس کی خصوصیات

اللہ رب العزت نے حضور ﷺ کی سب سے بڑی ذمہ داری کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا﴾

(سورۃ الاحزاب: ۴۵، ۴۶)

''اے نبی ہم نے آپ کو بھیجا ہے بتانے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور بلانے والا اللہ کی طرف اس کے حکم سے اور چمکتا ہوا چراغ۔''

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے متبعین کا اپنی دعوت میں ایک محدود مقصد ہے جس کے حصول کی کوشش کی جاتی ہے اور وہ مقصد عظیم لوگوں کو اللہ کی ذات سے روشناس کرانا اور اللہ سے ان کے تعلق کو مضبوط کرنا ہے۔

اس مقصود کے حصول میں مختلف اسباب دعوت کو استعمال کیا جاتا ہے ان اسباب میں سے ایک قصہ بھی ہے۔

اسی بناء پر داعی کی نظر میں قصہ نہ تو مقصود بالذات ہے نہ تسلی ونشاط کے لئے اور نہ ہی اوقات کو ضائع کرنے کے لئے ہے بلکہ اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کا مقصد افراد کی تربیت کرنا اور ایک جاندار مسلم معاشرہ کا قیام ہے۔

استاد بہی خولی فرماتے ہیں:

''داعی تاریخی واقعات کو ایک ایسے مدرس کی حیثیت سے نہیں دیکھتا جو معلومات

کو جمع کر کے اپنے شاگردوں کے سامنے پیش کرتا ہے نیز داعی کا کام نہیں کہ وہ اپنی گفتگو میں ظریفانہ طرز پیدا کرتے ہوئے وقت گزاری اور دل لگی کے لئے قصوں کو بیان کرے، ہم بہت سے لوگوں کو اس طرز عمل پر چلتا ہوا دیکھتے ہیں وہ قصوں کو بلا ربط اور بلا کسی مقصود کے یونہی بیان کرتے رہتے ہیں جبکہ داعی کی نظر تاریخ پر اس حوالہ سے ہوتی ہے کہ اس میں انسانی کوتاہیاں و ترقیاں ودیعت کی گئی ہیں اور اس میں انسانیت کی ہدایت و گمراہی کا راز پوشیدہ ہے اور ہر کام کے اچھے برے انجام کا تذکرہ ہے لہٰذا وہ اپنے موضوع کے متعلق ایک متعین حد تک اس میں سے حاصل کرتا ہے"۔

نبوی قصوں پر سرسری نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان قصوں میں دینی مقاصد کے حصول کا التزام کیا گیا ہے جیسے لوگوں کو صحیح عقائد سے روشناس کرنا اور عمدہ معانی اور روشن پہلوؤں کے ذریعہ ان کی تربیت کرنا۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ دینی موضوعات کے ساتھ مربوط ہونے کی وجہ سے ان قصوں میں دلچسپی کا سامان نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان قصوں میں اصل مقصود کو پیش نظر رکھتے ہوئے دلچسپی، تجسس، عمدگی اور اسباب توجہ اور سامان دلچسپی فراہم کیا گیا ہے لیکن ان تمام چیزوں کا استعمال ایک بنیادی مقصد یعنی دعوت الی اللہ کے حصول کے لئے کیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبوی قصوں کے اہداف کی اہم خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) دینی مقاصد کے حصول کا اہتمام۔

(۲) ان مقاصد کے حصول کے لئے فنون قصہ کو ملحوظ خاطر رکھنا، اس کیلئے زمان ومکان اور کرداروں کو قابل ذکر حد تک جگہ دینا۔

قصص نبویہ اور قصص معاصرہ کا تقابلی جائزہ:

مذکورہ تمام خصوصیات کو سامنے رکھتے ہوئے قصص نبویہ اور قصص معاصرہ (موجود اندازِ قصہ گوئی) میں مندرجہ ذیل بنیادی فرق معلوم ہوتے ہیں:

(۱) قصص نبوی کا مقصود تربیت اخلاق اور تعمیر ذات ہے لیکن قصص معاصرہ میں یہ بات نہیں پائی جاتی بلکہ اکثر قصوں میں ہیرو یا ہیروئن یا دونوں کی موت پر یا ان کی شادی پر قصہ کا اختتام ہو جاتا ہے۔ اگر دونوں کی شادی نہ ہو تو کسی اور طرح کی قربانیاں، فرار اختیار کرنا یا قتل ہو جانا قصوں کے انتہاء کی علامت خیال کی جاتی ہے۔

(۲) قصص نبویہ میں انسان مرکزی خیال کے معلوم ہوتے ہی حقیقی مقصود تک رسائی حاصل کر لیتا ہے جبکہ ہم عصر ادبی قصوں میں بے جا طوالت اختیار کی جاتی ہے اور بعض اوقات تو انسان اچھی خاصی بے جا طوالت کے بعد بھی قصہ کے موضوع تک نہیں پہنچ سکتا۔

(۳) قصص نبوی میں ہمہ تن گوش ہو کر مکمل طور پر دینی اقدار کے فروغ کا خیال رکھا گیا جبکہ ادبی قصوں میں اس طرز عمل سے انحراف کیا گیا ہے بلکہ بعض اوقات تو الحاد اور دین سے بیزاری کی دعوت کے ساتھ دین اور علماء کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور بری عادات کو اختیار کرنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ بعض اوقات ان قصوں میں مختلف گروہوں کو جرائم کا ارتکاب کرتے ہوئے دکھایا جاتا ہے، ناپختہ ذہن افراد انہیں دیکھ کر ان کی پیروی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ ایک اخبار نے ایک خبر شائع کی کہ ایک تیرہ سالہ بچے نے اپنی ماں کی جراب سے اپنے دوست کا گلا گھونٹ کر اسے ہلاک کر دیا، جب اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا "میں نے ٹی وی میں ایسے ہی دیکھا تھا"۔

(۵) ﴿تتمہ﴾

ہم چونکہ قصص سنت کے متعلق بحث وتحقیق کر رہے ہیں اس لئے ہم پر لازم ہے کہ ہم اس موضوع سے متعلق ایک اہم امر کو جان لیں۔

اس امر کا خلاصہ یہ ہے کہ قصوں کی دل نشینی نے بعض لوگوں کو خواہش نفس کی پیروی پر برانگیختہ کیا جس کے نتیجہ میں انہوں نے بے سروپا قصے اور جھوٹے افسانے گھڑے تاکہ لوگوں سے مال حاصل کریں اور ان کو اپنی طرف متوجہ کریں۔

اس سلسلہ میں سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ کوئی انسان قصہ گھڑنے کے بعد اسے حضور ﷺ کی طرف منسوب کر دے۔ لہٰذا وہ قصہ اپنے الفاظ کی خوبصورتی اور موضوعات کے ربط کے باعث لوگوں میں مشہور ہو جائے۔

اسی وجہ سے جرح وتبدیل کے ائمہ نے وضع احادیث کے اس خطرناک ترین طریقہ پر متنبہ کیا اور توجہ دلائی ہے۔

ابوالفرج ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الموضوعات" میں فرماتے ہیں:

"احادیث گھڑنے کے سلسلہ میں سب سے بڑا نقصان قصہ نگاروں نے پہنچایا، کیونکہ وہ عالمانہ اور سلجھی ہوئی دلکش گفتگو کا سہارا لیتے ہیں۔"

اسی طرح بعض علماء نے اس میدان میں جھوٹ وافتراء کی مذمت کے بیان میں بہت سے رسائل تحریر فرمائے ہیں۔ ان میں مندرجہ ذیل دو رسالے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں:

(۱) تحذیر الخواص من اکاذیب القصاص (حافظ جلال الدین سیوطی)

(۲) الباعث علی الخلاص من حوادث القصاص (حافظ زین الدین عراقی)

اصحاب دعوت پر لازم ہے وہ اس قسم کے غلط قصوں کو بیان کرنے سے اجتناب کریں اور اپنے سامنے قرآنی قصوں اور نبوی واقعات کو رکھیں۔ ایسا کرنے سے جھوٹی

باتوں اور من گھڑت قصوں کے بیان کرنے سے محفوظ ہو جائیں گے، یہ من گھڑت قصہ جات نہ صرف دعوت کو نقصان دیتے ہیں بلکہ ان کو بیان کرنے والا حضور ﷺ پر جھوٹ کی اشاعت میں حصہ دار بن جاتا ہے اور اس پر بھی جھوٹے ہونے کا حکم ثابت ہو گا جو قصہ گھڑنے والے پر صادق آتا ہے، ایک حدیث میں آتا ہے، ''جس شخص نے میری طرف سے کوئی ایسی بات بیان کی جس کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ وہ جھوٹا ہے تو یہ شخص بھی جھوٹوں میں سے ایک ہے۔''

بہر حال سنت نبویہ اور کلام ائمہ میں قصوں اور قصہ گو لوگوں کی جو مذمت آئی ہے اسے ایسے قصوں پر محمول کیا جائے گا جو شک وشبہ اور اختلاف کی طرف لے جانے والے ہوں، انہیں اصطلاحاً اسرائیلیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

جب داعی روایت کی صداقت میں غور وفکر کرے اور ایسے واقعات کو تلاش کرے جو عقل یا نقل کے مخالف نہ ہوں تو ایسے قصوں کو بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

امام غزالی فرماتے ہیں:

''اگر انبیاء علیہم السلام کے قصوں میں سے کوئی قصہ جو ان کے امور دینیہ سے متعلق ہو، جس کو بیان کرنے والا سچا ہو اور اس کی روایت بھی صحیح ہو تو اس کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن من گھڑت قصوں اور ایسی حکایات سے اجتناب کرنا چاہئے جو لغزشوں اور کوتاہیوں کی طرف لے جائیں اور عوام ان کے معانی کا ادراک کرنے سے کوتاہ ہوں اور وہ اس بات کو نہ سمجھیں کہ یہ ایسی لغزش ہے جو کفر تک پہنچانے والی اور نیکیوں کو ضائع کر دینے والی ہے، عام آدمی اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں میں ان کو دلیل بنائے گا کہ اسے فلاں نے نقل کیا ہے اور وہ مشائخ واکابرین کے نام کا تذکرہ کرے گا وہ خیال کرے گا کہ ہم میں سے ہر ایک گناہوں میں پڑنے کے خطرے میں ہے اور اگر میں کوئی گناہ کرتا ہوں تو کیا ہوا مجھ سے بڑے لوگ بھی تو گناہ میں مبتلا ہوئے ہیں، یہ ایک ایسی سوچ ہے جو اسے اللہ کے خلاف جرأت کرنے پر اس انداز میں برانگیختہ کرنے والی ہے جس کا اسے علم

بھی نہیں ہے۔

مذکورہ دونوں پابندیوں کی رعایت کرنے کے بعد قصہ بیان کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں، پھر وہ قرآن مجید میں ذکر کردہ اور احادیث میں آنے والے صحیح قصوں کی طرف رجوع کرے"۔

اللہ کی مدد سے ہم اس کتاب میں صحیح واقعات کے حصول کو آسان بنادیں گے اور جھوٹے افسانے تیار کرنے والے واضعین حدیث کا راستہ بند کردیں گے۔

بعض اوقات مذمت قصہ کے موضوع کے بجائے قصہ گو کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ بعض اوقات کوئی قصہ گو فخر کرنے اور اپنے ہم عصروں پر فائق ہونے کے لئے بھی قصہ بیان کرسکتا ہے۔

حارث بن معاویہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے تین چیزوں کے متعلق جاننے کے لئے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف سفر کیا، جب وہ مدینہ پہنچے تو حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا:

"آپ کس غرض سے یہاں تشریف لائے ہیں؟ انہوں نے کہا: "تین چیزوں کے متعلق سوال کرنے کے لئے"۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "کن تین چیزوں کے متعلق"۔ حارث بن معاویہ نے کہا "بعض اوقات میں اور میری بیوی تنگ کمرہ میں ہوتے ہیں اور نماز کا وقت ہو جاتا ہے، جب میں نماز پڑھتا ہوں تو وہ میرے سامنے ہوتی ہے اور جب وہ میرے بعد نماز پڑھتی ہے تو میں کمرہ سے باہر نکل جاتا ہوں"۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا "تو اپنے اور اس کے درمیان ایک کپڑے کا پردہ ڈال لے پھر اگر تو چاہے تو اس کے سامنے نماز پڑھ لے، پھر حضرت حارثؓ نے عصر کے بعد دو رکعات نماز کے متعلق پوچھا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: "مجھے رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے"۔ پھر حضرت حارثؓ نے قصوں کے متعلق پوچھا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: "جو تو

چاہیے"۔ گویا کہ آپ نے بعض قصوں سے منع کرنے کو پسند فرمایا۔ حضرت حارثؓ نے عرض کیا "میں آپ کی پوری بات سننا چاہتا ہوں" حضرت عمرؓ نے فرمایا "مجھے ڈر ہے کہ تو قصہ بیان کرے گا تو تیرے نفس میں بڑائی پیدا ہوگی پھر قصہ بیان کرے گا پھر تیرے اندر بڑائی پیدا ہوگی، پھر تیرے دل میں یہ خیال آنے لگے گا کہ تو لوگوں سے اتنا بلند ہے جیسے ثریا ستارہ۔ لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں کے قدموں میں اتنا ہی نیچے پھینک دے گا"۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ قصہ گوئی کرنے والا اگر موضوعیت اور سچائی کو پیش نظر رکھے اور فخر وریا سے اجتناب کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

۱۔ اخرجه احمد و الهيثمي في مجمع الزوائد

﴿توبہ سے متعلق نبوی قصے﴾

تمہید

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ﴾ (سورۃ الاعراف: ۲۰۱)

”جو لوگ پرہیزگار ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو چونک پڑتے ہیں اور (دل کی آنکھیں کھول کر) دیکھنے لگتے ہیں۔“

قرآن مجید کی اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان بعض اوقات کسی برائی میں ملوث ہو جاتا ہے اور گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے، یہ اعمال بندہ کے تقویٰ کو ختم نہیں کرتے بشرطیکہ انسان اپنی غفلت کو دور کرے اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں رجوع کرے، گناہ و جرم کا سرزد ہو جانا کوئی عیب نہیں بلکہ عیب تو یہ ہے کہ انسان گناہوں پر اصرار کرے اور معصیت کو مباح سمجھے، جب انسان اپنے عیب کو دیکھ لے گا اور اللہ سے توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کرے گا اور اس کے گناہوں کو مٹا دے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ﴾ (سورۃ طہ: ۸۲)

”اور جو توبہ کرے ایمان لائے اور عمل نیک کرے پھر سیدھے رستے چلے اس کو میں بخش دینے والا ہوں۔“

میری خواہش ہے کہ میں توبہ کی اہمیت اور توبہ کرنے والوں کی توبہ کے قبول ہونے میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کو بیان کرنے کے لئے توبہ سے متعلق بعض نبوی قصے

ذکر کروں تاکہ لوگ اس عملی حقیقت کو جان لیں جس کے متعلق قرآن و حدیث میں بہت سے شواہد موجود ہیں۔

توبہ کے متعلق احادیث مبارکہ میں سے ہم مندرجہ ذیل دو قصوں کا انتخاب کرتے ہیں:

(۱) سو آدمیوں کے قاتل کا قصہ۔

(۲) کفل اور ایک مجبور عورت کا قصہ۔

ہم ایک ایک کر کے ان قصوں کو بیان کریں گے اور اس بات کی کوشش کریں گے کہ ان قصوں سے حاصل ہونے والے فوائد و ثمرات کو سامنے رکھیں۔

وما توفیقی الا باللّٰہ علیہ توکلت والیہ انیب......

سو افراد کے قاتل کا قصہ

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے بیان کیا:

''پہلے زمانہ میں ایک آدمی تھا جس نے سو قتل کر رکھے تھے، ایک مرتبہ اس نے لوگوں سے پوچھا کہ زمین پر اس وقت سب سے بڑا عالم کون ہے؟ لوگوں نے ایک راہب کی نشاندہی کی، وہ قاتل اس راہب کے پاس آیا اور کہا کہ اس نے ننانوے قتل کر رکھے ہیں کیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے؟ راہب نے نفی میں جواب دیا، قاتل نے اس راہب کو بھی قتل کر دیا اور سو مقتول پورے کر دیئے۔

قاتل نے پھر روئے زمین کے سب سے بڑے عالم کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے ایک عالم شخص کی طرف اس کی راہ نمائی کی، قاتل نے اس عالم سے کہا کہ اس نے سو افراد کو قتل کیا ہے کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ عالم نے جواب دیا: ''ہاں، توبہ اور اس کے درمیان کون حائل ہے؟ تم فلاں جگہ جاؤ، وہاں کچھ لوگ اللہ کی عبادت کرتے ہیں تم بھی ان کے ساتھ اللہ کی عبادت کرو اور دوبارہ اپنے علاقے میں واپس نہ آنا کیونکہ یہ بہت

خراب علاقہ ہے۔

یہ سن کر وہ قاتل شخص چل پڑا، یہاں تک کہ جب وہ آدھے راستہ میں پہنچا تو اس کی موت کا وقت آ گیا، لہٰذا رحمت اور عذاب کے فرشتے اس کے بارے میں آپس میں جھگڑنے لگے۔

رحمت کے فرشتوں نے کہا: ''یہ دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہو کر توبہ کرنے آیا ہے''۔ عذاب کے فرشتوں نے کہا: ''اس نے کبھی کوئی نیک عمل کیا ہی نہیں''۔

ان کے پاس ایک فرشتہ انسان کی صورت میں آیا، سب فرشتوں نے اس فرشتہ کو اپنے درمیان ثالث مقرر کیا۔ اس فرشتہ نے کہا کہ دونوں راستوں کو ناپو، دونوں میں سے جو راستہ کم ہوگا اس شخص کا فیصلہ اسی کے اعتبار سے کر دیا جائے گا، لہٰذا فرشتوں نے دونوں راستوں کو ناپا تو جہاں جانے کا اس کا ارادہ تھا وہ راستہ کم پایا لہٰذا رحمت کے فرشتوں نے اس کی روح کو قبض کر لیا[1]۔

﴿فوائد﴾

مذکورہ قصہ سے ایسے بہت سے فوائد و اسباق حاصل ہوتے ہیں جو دعوت الی اللہ میں علمی اور عملی طور پر خاصے پر اثر نکات پر مشتمل ہیں، ان میں سے چند اہم فوائد درج ذیل ہیں:

(۱) کبیرہ گناہوں سے توبہ کی قبولیت:

یہ قصہ اس بات کی ایک عظیم الشان دلیل ہے کہ گناہ گار کی توبہ قبول ہو جاتی ہے اگرچہ اس کا گناہ بہت بڑا اور اس کی سرکشی بہت عظیم ہی کیوں نہ ہو۔

یہ موضوع بہت سی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے بھی حاصل ہوتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

[1] اخرجہ مسلم و البخاری و ابن ماجہ و احمد

﴿"قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ"﴾(سورۃ الزمر: ۵۳)

"(اے پیغمبر میری طرف سے لوگوں کو) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا خدا سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔"

ایک صحیح حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں ختم کردے اور ایسی قوم کو لائے جو گناہ کریں پھر اللہ سے بخشش کو طلب کریں اور اللہ ان کو بخش دیں"۔[1]

قصہ میں مذکورہ شخص کا سو آدمیوں کو قتل کرنا پھر تہہ دل سے دربار الٰہی میں توبہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کا اس کی توبہ کو قبول کرنا اور اس کے گناہوں کو معاف کردینا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والی کی توبہ کو قبول کرتے ہیں اور اس میں قاتل یا غیر قاتل کا استثناء بھی نہیں ہے، جمہور علماء امت کا یہی مذہب ہے۔

قاضی عیاضؒ اس قصہ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

"توبہ گناہِ قتل میں بھی مفید ہے جیسا کہ باقی تمام گناہوں میں مفید ہے، اگرچہ یہ ہم سے پہلے لوگوں کی شریعت کا حصہ ہے اور پہلے لوگوں کی شریعت کو دلیل بنانے میں اختلاف ہے لیکن یہ مقام محل اختلاف نہیں، کیونکہ محل اختلاف تو وہ مقام ہوتا ہے جس کی موافقت اور ثبوت ہماری شریعت میں نہ ملے لیکن اگر ہماری شریعت میں اس کا ثبوت مل جائے تو وہ بلا اختلاف ہماری شریعت کا حصہ ہوگا، توبہ کی تمام گناہوں سے قبولیت کے

[1] رواہ مسلم و الترمذی و احمد

۔ ۔ ے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ" یعنی اللہ تعالیٰ شرک کے گناہ کو تو معاف نہیں فرمائیں گے اس کے علاوہ جس کو چاہیں معاف فرمائیں گے۔ اسی طرح حضرت عبادہ بن صامتؓ کی حدیث میں چند خلاف شرع اور ممنوع افعال کے ذکر کے بعد حضور ﷺ کا ارشاد موجود ہے کہ جس نے ان مذکورہ اعمال میں سے کوئی عمل کیا تو اس کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے چاہے تو اسے معاف کر دے اور اگر چاہے تو اسے عذاب دے"۔

اس بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اختلاف ہے وہ جان بوجھ کر قتل کرنے والے کی توبہ کے قائل نہیں ہیں، حضرت سعید بن جبیرؓ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا" یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی:

﴿وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ..... مُھَانًا"﴾ (سورۃ الفرقان ۶۸۔۶۹)

"اور وہ جو خدا کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جاندار کو مار ڈالنا خدا نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریقہ (یعنی شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے۔ اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہوگا۔ قیامت کے دن اس کو دوگنا عذاب ہوگا اور ذلت وخواری سے ہمیشہ اس میں رہیگا۔"

یہ سن کر مشرکین نے کہا،" اسلام ہمیں کیا فائدہ دے گا حالانکہ ہم نے اللہ کے ساتھ شرک کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ جانوں کو قتل کیا ہے اور بے حیائی کا ارتکاب کیا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا:

﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا الخ﴾ (سورۃ مریم آیت: ٦٠)

"ہاں جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عمل نیک کئے تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہونگے اور ان کے ذرا نقصان نہ کیا جائیگا۔"

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: "جو مسلمان ہو گیا اور اسلام کو سمجھ گیا پھر قتل کیا تو اس کی توبہ قبول نہیں"۔[1]

عبداللہ بن عباسؓ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے:

﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا﴾ (سورۃ النساء: ۹۳)

"اور جو شخص مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا اور خدا اس پر غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لئے اس نے بڑا (سخت) عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

حضرت سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں: عبدالرحمٰن بن ابزیٰ نے مجھے حکم دیا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ان دو آیتوں کے معانی کے بارے میں پوچھوں، ایک اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا الخ" یعنی "جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ کا غضب اور لعنت ہے اور اس کے لئے اللہ نے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے"۔

میں اس آیت کے متعلق سیدنا ابن عباسؓ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: "کسی چیز نے اس آیت کو منسوخ نہیں کیا"۔

پھر میں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے متعلق دریافت کیا "وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ الخ" یعنی "جو لوگ خدا کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جاندار کو مار ڈالنا خدا نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (یعنی شریعت کے حکم سے) سے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہوگا۔"

تو انہوں نے فرمایا: "یہ مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے"۔

---

[1] صحیح مسلم

اسی طرح عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بعض ان احادیث سے بھی استدلال کیا ہے جن میں ناحق قتل کرنے پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

سالم بن ابی جعدؒ کہتے ہیں، ایک آدمی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، ''اے ابن عباس! آپ کا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے؟'' فرمایا ''اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ کا غضب اور لعنت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے عظیم عذاب تیار کر رکھا ہے''۔ اس شخص نے عرض کیا، ''اے ابن عباس! اگر وہ شخص توبہ کرے، ایمان لائے اور نیک اعمال کرے تو پھر آپ کا کیا خیال ہے؟'' حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، ''تیری ماں تجھے گم کرے، اس کی توبہ کیسے قبول ہو سکتی ہے حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مقتول قیامت کے دن اپنے سر کو دائیں یا بائیں ہاتھ سے پکڑے ہوئے اور دوسرے ہاتھ میں قاتل کو پکڑے ہوئے رحمٰن کے عرش کے سامنے آئے گا اس حال میں کہ اس کی گردن سے خون بہہ رہا ہوگا اور کہے گا: ''اے میرے رب! اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا؟''[1]

جمہور اسلاف اور تمام اہل سنت نے اس قسم کی روایات کو سزا کی سختی پر محمول کیا ہے اور سورۂ نساء کی آیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ جس میں قاتل کی سزا جہنم میں ہیشگی کا ٹھکانہ مذکور ہے کہ کبھی اسے جہنم کی سزا دی جاتی ہے کبھی جہنم کے علاوہ کوئی اور سزا دی جاتی ہے اور کبھی بالکل سزا دی ہی نہیں جاتی معاف کر دیا جاتا ہے، لہٰذا یہ مسئلہ اللہ کی مشیت کے ساتھ متعلق ہے کہ یہ بات ممکن ہے کہ اللہ کی مشیت یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ اس کے ہر گناہ کو معاف کر دے لیکن یہ اس وقت ہے جب اس نے قتل کو جان بوجھ کر اور حلال سمجھتے ہوئے نہ کیا ہو، کیونکہ اسے حلال سمجھنے کی صورت میں بالاجماع یہ کافر اور مرتد ہو جائے گا، اور اگر اس نے قتل حلال سمجھ کر نہ کیا ہو بلکہ اس کی حرمت کا قائل ہو تو اس

---

1. رواہ النسائی و ابن ماجہ و احمد

صورت میں یہ فاسق، گناہ گار اور کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والا ہوگا اور اس کا ٹھکانہ ہمیشہ کے لئے جہنم ہے لیکن اللہ کے فضل کے ساتھ بچ سکتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ جو شخص توحید پر رہتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوا وہ جہنم میں ہمیشہ نہ رہے گا، بلکہ یا تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کردیں گے اور وہ جہنم میں داخل نہ ہوگا یا اللہ تعالیٰ اس کو معاف نہیں کریں گے بلکہ دوسرے گناہ گار مسلمانوں کی طرح اسے عذاب ہوگا اور اپنے گناہوں کے بقدر عذاب کو بھگت کر یہ جنت میں داخل ہوگا یہ اس وقت ہے جب اس نے توبہ نہ کی ہو لیکن اگر توبہ کرلی اور اس کی توبہ قبول ہوگئی تو اس کی حالت مندرجہ بالا قصہ سے معلوم ہوتی ہے، یہ قصہ اگرچہ ہم سے پہلی شریعتوں میں ثابت ہے تو امت محمدیہ اس فضل کی زیادہ حق دار ہے کیونکہ اللہ رب العزت نے پہلی امتوں کی بہ نسبت اس امت کے ساتھ زیادہ نرمی، سہولت اور آسانی کا معاملہ فرمایا ہے۔

اس موقع پر اگر یہ اشکال کیا جائے کہ قاتل شخص کی توبہ کیسے قبول ہوسکتی ہے حالانکہ اس کے ذمہ حقوق العباد لازم ہیں حالانکہ بندوں کے حقوق سے توبہ کی شرط یہ ہے کہ مظلوموں کو ان کا حق واپس کیا جائے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب بندہ سے راضی ہوتے ہیں اور اس کی توبہ کو قبول فرماتے ہیں تو اس کے مخالفین اور اہل حق کو بھی اس سے راضی کردیتے ہیں۔

(۲) رحمت خداوندی کی وسعت اور ناامیدی کا وبال:

یہ قصہ اپنی مختلف روایات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت اور اللہ کے غضب پر غالب ہونے کی دلیل ہے۔ اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بندہ کا سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا توبہ کی قبولیت کے ساتھ ساتھ انسان کو سیدھے راستہ کی توفیق اور ہدایت بھی عطا کرتا ہے، جس روایت کو ہم نے ذکر کیا ہے اس میں محض یہ تذکرہ ہے کہ فرشتوں نے دو راستوں کو ناپا تو مطلوبہ مقام تک پہنچنے کا راستہ کم اور طے شدہ راستہ

زیادہ تھا تو رحمت کے فرشتوں نے اس کی روح کو قبض کرلیا، جبکہ بعض دوسری صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت کا دخل بھی ہے جس سے رحمت خداوندی کی وسعت اور توبہ کرنے والے شخص پر فضل وکرم کی انتہا معلوم ہوتی ہے۔

بخاری اور مسلم کی بعض روایات میں ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے باقی ماندہ راستہ کو حکم دیا کہ کم ہو جا اور طے شدہ راستہ کو حکم دیا کہ پھیل جا۔ پھر فرشتوں سے کہا: ”دونوں کو ناپو“ لہذا انہوں نے باقی ماندہ راستے کو طے شدہ کی نسبت ایک بالشت کم پایا تو اس شخص کی مغفرت کردی“۔

معصیت کی سرزمین کو دور کرنے اور توبہ کی سرزمین کو قریب کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے بندوں کی توبہ قبول نہیں کرتے بلکہ اپنے فضل و کرم سے انہیں مزید عطا کرتے ہیں۔ اس بات کی تائید اس حدیث قدسی سے بھی ہوتی ہے جسے حضرت ابو ہریرہؓ نے نقل کیا ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”میں اپنے بندہ کے گمان کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہو، جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، جب وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں، اگر وہ مجلس میں میرا تذکرہ کرتا ہے تو میں اس سے بہتر یعنی فرشتوں کی مجلس میں کا تذکرہ کرتا ہوں، اگر وہ ایک بالشت میری طرف متوجہ ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میری طرف متوجہ ہوتا ہے تو میں دو ہاتھ ادھر متوجہ ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر چلتا ہوں“۔ [1]

اگرچہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت بے پناہ ہے لیکن یہ بات بہت خطرناک اور وبال کا باعث ہے کہ انسان اپنی عقل کی خرابی اور سوچ کی برائی کی وجہ سے اللہ کی وسیع کردہ چیز کو تنگ سمجھے، اس قصہ سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب راہب نے غلط

---

۱ رواہ البخاری و مسلم و الترمذی و ابن ماجہ و احمد

روش پر چلتے ہوئے توبہ کرنے والے کے سامنے توبہ کے تمام دروازوں کو بند کر دیا تو اس قاتل شخص نے اس راہب کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ﴾ الخ

(سورۃ الزمر: ۵۳)

''اے پیغمبر (میری طرف سے لوگوں کو) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا خدا تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنی مغفرت کی طرف ہر اس شخص کو بلایا ہے جو یہ گمان کرتا ہے کہ مسیح خدا ہے، جو یہ گمان کرتا ہے کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے، جو یہ خیال کرتا ہے کہ عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، جو خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے، جس کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور جس کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تین خداؤں میں سے ایک ہے، اللہ تعالیٰ ان سب سے فرما رہا ہے:

﴿اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰهِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَهٗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾

(سورۃ المائدۃ: ۷۴)

''تو یہ کیوں خدا کے آگے توبہ نہیں کرتے اور اس سے گناہوں کی معافی نہیں مانگتے اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے۔''

پھر اس بندہ کو بھی توبہ کی طرف بلایا جس نے ان سب لوگوں سے زیادہ بڑی بات کی اور کہا:

﴿اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی﴾ (سورۃ النازعات: ۲۴)

''تمہارا سب سے بڑا مالک میں ہوں۔''

اس نے یہ بھی کہا تھا:

﴿"مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرِي"﴾ (سورۃ القصص: ۳۸)

"میں تمہارا اپنے سوا کسی کو خدا نہیں مانتا"

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "جس نے اللہ کے بندوں کو اس آیت کے بعد بھی توبہ سے مایوس کیا اس نے اللہ عزوجل کی کتاب کا انکار کیا"۔

داعی کو اس معنی کا لحاظ رکھنا چاہئے اور شیطان کے دھوکہ سے محفوظ رہنا چاہئے کہ کہیں وہ اسے اس خطرناک کھائی میں اتار کر اپنی جان اور دعوت کو نقصان دینے والا نہ بن جائے اور اسے چاہئے کہ وہ اپنی دعوت میں اسلوب قرآنی اور ہدایت نبوی کو استعمال کرے اور انہی کو نصیحت وعبرت کا سامان بنائے، کیونکہ ان میں ترغیب کے رنگ میں ترہیب اور انذار کے انداز میں بشارت موجود ہے، کامیاب داعی وہ ہے جو بیماری کے مطابق علاج تجویز کرے اور ہر مقام کے مناسب دلائل کو استعمال کرے اور اس میں دوسرے دلائل کو لغو اور فضول قرار نہ دے۔ واللہ اعلم۔

(۳) علم کی عبادت پر فضیلت:

اس قصہ سے عبادت پر علم کی فضیلت اور ترجیح معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ توبہ کرنے والے کو ہلاکت سے بچانا اور حق کے راستہ پر گامزن کرنا علم کی ہی بدولت ممکن ہوا جبکہ صورتحال یہ تھی کہ عبادت گزار راہب نے درست راستہ سے بھٹکنے کے باعث اپنی جہالت کی بنا پر خود کو ہلاکت میں ڈال دیا اور ممکن تھا کہ توبہ کرنے والا شخص اس کی وجہ سے اللہ کی رحمت سے ناامید ہو جاتا۔

عبادت پر علم کی فضیلت ایک حدیث سے بھی معلوم ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس نے کسی خیر کے راستہ پر راہنمائی کی اس کے لئے اس خیر کے کرنے والے کے مثل اجر ہے"۔[1]

---

[1] رواہ مسلم و ابوداؤد و احمد

اس حدیث سے علم کی عبادت پر فضیلت کے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ علم کا فائدہ عام ہے یہ ابتداً عالم کو فائدہ دیتا ہے اور پھر اس کا فائدہ غیر عالم کو بھی پہنچتا ہے لہٰذا اس کا فائدہ دوگنا ہوگیا جبکہ عابد کی عبادت کا فائدہ صرف اسی کو پہنچتا ہے اور اس کے دائرہ سے انتہائی تنگ حدود کے ساتھ ہی تجاوز کرتا ہے، اسی وجہ سے بڑے علماء کی رائے یہی ہے کہ علم میں مشغول ہونا عبادت کی بہت سی صورتوں سے بہتر ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''رات کے کسی حصہ میں علم کے مذاکرے کرنا میرے نزدیک اسے عبادت گزاری سے زندہ کرنے سے بہتر ہے''۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں: ''عالم اس شخص سے بہتر ہے جو دنیا میں بے رغبتی اور عبادت میں انہماک کا حامل ہے''۔

امام شافعیؒ کا فرمان ہے: ''علم کی طلب نفل نماز سے بہتر ہے'' ایک جگہ فرماتے ہیں: ''فرائض کے بعد علم سے بڑھ کر کسی چیز سے اللہ کا تقرب حاصل نہیں کیا جاسکتا''۔

علم کی عبادت پر فضیلت مطلق نہیں ہے بلکہ دو شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔

(۱) علم کا موضوع (۲) علم کا مقصد۔

لہٰذا ضروری ہے کہ عالم کا علم، علم نافع ہو تا کہ اسے ہلاکت سے بچائے اور ہدایت کی راہ پر چلائے اور یہ کہ علم سے اس کا مقصود علم کے ذریعہ اللہ کی اطاعت پر اس کی مدد کو طلب کیا جائے، علامہ مناویؒ فرماتے ہیں:

''علم بمنزلہ درخت کے ہے اور عبادت بمنزلہ پھل ہے، اعلیٰ مقام درخت کا ہے کیونکہ یہ اصل ہے لیکن درخت کا فائدہ اس کے پھل کی بنیاد پر ہے، اس لئے بندہ کے لئے ضروری ہے کہ اسے ان دونوں میں سے حصہ ملے، اسی وجہ سے حسن بصریؒ کا فرمان ہے، ''علم کی ایسی طلب کرو جو عبادت کو نقصان نہ دے اور عبادت کی ایسی طلب کرو جو علم کو نقصان نہ دے''۔

(۴) قصہ قاتل سے حاصل شدہ چند اجمالی فوائد:

قصہ قاتل سے مذکورہ فوائد کے علاوہ مزید چند فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں، جن کی طرف اختصار کی غرض سے اور طوالت سے بچنے کے لئے ہم اجمالی اشارہ کرتے ہیں۔

(ا) توبہ کی پختگی نیک لوگوں کی صحبت میں ہے:

عالم نے توبہ کرنے والے کو نصیحت کی کہ اپنے علاقہ کو چھوڑ دے اور کسی ایسی جگہ جائے جہاں نیک لوگ موجود ہوں تا کہ ان کے ساتھ مل کر اللہ کی عبادت کرے، اس سے معلوم ہوا کہ توبہ کا کمال و پختگی معصیت کی جگہوں اور برے ساتھیوں کو چھوڑنے سے حاصل ہوتی ہے، ایسا کرنے سے وہ دوسری مرتبہ گناہوں میں پڑنے سے مامون ہو جائے گا اور اپنے ارد گرد ایسے لوگوں کو پائے گا جو اس کی حوصلہ افزائی کریں گے اس لئے کہ معاشرہ اور ماحول انسان کی کردار سازی اور تعمیر شخصیت میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس لئے اہل دعوت کو چاہئے کہ وہ خود اور اپنے تربیت یافتہ لوگوں کے ذریعہ ایک ایسا ماحول تیار کریں جس میں نئے نئے دیندار لوگوں کا استقبال کرنے اور ان کو تربیت دینے کی صلاحیت موجود ہو، تا کہ داعی اور اس کے تربیت یافتہ لوگ نئے آنے والے حضرات کی خرابیوں کو دور کرسکیں اور ان کو تدریجاً اس قابل بنا دیں کہ وہ اپنے کام کاج کی جگہوں اور اپنے خاندان والوں میں رہ کر دعوت دینے والے بن سکیں۔

(ب) ثالث بنانے پر فریقین کی رضامندی کی ضرورت:

اس قصہ میں فرشتہ کا آدمی کی صورت میں آ کر تائب آدمی کے بارے میں عذاب اور رحمت کے فرشتوں کے درمیان فیصلہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ انسانوں میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو فرشتوں کے درمیان فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جھگڑنے والوں کے درمیان ثالث بننا جائز ہے اور یہ کہ اگر فریقین کسی

شخص کو ثالث بنانے پر راضی ہو جائیں تو اس کا فیصلہ ان کے درمیان نافذ ہوگا اور اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فیصلہ کرنے والے کے لئے اگر احوال مشکل اور متعارض ہو جائیں تو اس کے لئے قیاس کرنا اور اندازہ لگانا بھی جائز ہے اور وہ اندازہ کی روشنی میں فیصلہ کر سکتا ہے۔

(ج) بغیر عمل صالح کے توبہ کی قبولیت:

اس قصہ میں بغیر کسی نیک عمل کے بندہ کی توبہ کی قبولیت کا تذکرہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ ندامت ہی توبہ ہے اور یہ کہ توبہ کی قبولیت کا مدار سچے اور پختہ ارادہ پر ہے اور توبہ کے بعد نیک عمل کی توفیق نہ ملنا بندہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔

(د) توبہ اللہ کی رضا کی علامت ہے:

اس قصہ میں اللہ تعالیٰ کی ایک علامت رضا کا بیان ہے اور وہ موت سے پہلے توبہ نصوح کی توفیق مل جانا ہے، یہ توبہ اس کے سابقہ گناہوں کو مٹانے والی اور اس شخص کو پاک صاف کر کے اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کرنے والی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نقل کردہ ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ "جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے استعمال فرماتے ہیں" لوگوں نے پوچھا "یا رسول اللہ! اسے کیسے استعمال فرماتے ہیں؟" حضور ﷺ نے فرمایا، اسے موت سے پہلے عمل صالح کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں"۔[1]

(ہ) با اعتماد آدمی سے فتویٰ طلب کرنا ضروری ہے:

اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان جس سے فتویٰ طلب کرنا چاہے اس شخص کے متعلق تحقیق و غور و فکر کرے تا کہ گمراہی کا شکار نہ ہو جائے، محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں:

---

[1] رواہ الترمذی و احمد

"بیشک علم دین ہے لہٰذا تم جس شخص سے دین حاصل کر رہے ہو اس کے متعلق غور وفکر کرلو"۔

(و) زندگیاں محدود اور طے شدہ ہیں

آدھے راستہ میں توبہ کرنے والے شخص کی موت کا آنا اس بات کی دلیل ہے کہ زندگیاں محدود اور عمریں طے شدہ ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ (سورۃ الاعراف ۳۴)

"جب ان کی موت کا وقت آجاتا ہے تو نہ تو ایک گھڑی دیر کر سکتے ہیں نہ جلدی"۔

موت کا وقت اور مقام اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ﴾ (سورۃ لقمان: ۳۴)

"اور کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں اسے موت آئے گی"۔

(ز) اعمال میں اخلاص قبولیت کی شرط اولین ہے:

رحمت کے فرشتوں کا کہنا کہ "یہ شخص اللہ کی طرف متوجہ ہو کر توبہ کے ارادہ سے آیا ہے"۔ اس سے اس بات کی تاکید ہوتی ہے کہ اعمال کی قبولیت صدق نیت اور حسن اخلاص پر موقوف ہے اور اس اخلاص کے ساتھ ساتھ ظاہر کے اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا

يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ (سورة الكهف: ۱۱۰)

''تو جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی امید رکھے چاہیے کہ عمل نیک کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔''

اسی وجہ سے فضیل بن عیاضؒ اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل قول کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا''﴾ (سورة الملک: ۲)

''تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون اچھے کام کرتا ہے۔''

یعنی عمل کو خالص اور درست کرے اور اسے شرک وخرابیوں سے پاک اور سنت کے موافق کر کے ادا کرے۔

﴿کفل اور ایک مجبور عورت کا قصہ﴾

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، میں نے نبی کریم ﷺ کو ایک حدیث بیان کرتے سنا، اگر میں نے اس واقعہ کو ایک مرتبہ یا دو مرتبہ (یہاں تک کہ سات مرتبہ تک شمار کیا) نہ سنا ہوتا تو بیان نہ کرتا لیکن اس سے بھی زیادہ مرتبہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ ''بنی اسرائیل میں کفل نامی ایک آدمی تھا جو کسی گناہ کے ارتکاب سے نہ چوکتا تھا، ایک مرتبہ ایک عورت اس کے پاس آئی اور کفل نے اسے اس بات پر ساٹھ دینار دیے کہ وہ اس سے وطی کرے گا، جب کفل اس سے بدکاری کرنے ہی لگا تو وہ عورت لرزنے اور کانپنے لگی اور رونے لگی، یہ صورت حال دیکھ کر کفل نے کہا: ''تجھے کس چیز نے رلایا ہے؟ کیا میں تجھے برا لگا ہوں؟''۔

''اس عورت نے کہا: نہیں، لیکن میں نے پہلے یہ عمل کبھی نہیں کیا اور مجھے ایک ضرورت نے اس عمل پر ابھارا ہے۔'' یہ سن کر کفل نے کہا: ''تو جب ایسا کر رہی ہے میں یہ کیوں نہیں کر سکتا؟ تو چلی جا یہ دینار تیرے لئے ہیں، خدا کی قسم! میں کبھی اللہ کی نافرمانی نہ

کروں گا''۔

پھر اسی رات کفل کا انتقال ہو گیا صبح کو اس کے دروازہ پر لکھا ہوا تھا ''اللہ تعالیٰ نے کفل کی مغفرت کر دی ہے''۔[1]

تشریح

اس قصہ کے ذیل میں علماء نے بیان کیا ہے کہ اس قصہ میں مذکور شخص وہ نبی نہیں ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کیا ہے یعنی ذوالکفل علیہ السلام۔

امام حافظ ابن عربی مالکیؒ اپنی کتاب ''عارضۃ الاحوذی علی صحیح الترمذی'' میں فرماتے ہیں:

''بعض لوگوں نے کہا ہے کہ قصہ میں ذکر کردہ شخص سے مراد وہی نبی ہیں جن کا قرآن میں ذکر موجود ہے (یعنی ذوالکفل علیہ السلام) حالانکہ یہ قول بوجوہ فاسد ہے:

(۱) اس شخص کا نام ''کفل'' ہے جبکہ نبی کا نام ''ذوالکفل'' ہے۔

(۲) ذوالکفل نبی تھے جبکہ اس شخص کو گناہوں کے ارتکاب کے بعد توبہ کی توفیق ملی۔

(۳) یہ آدمی گناہوں میں مصروف تھا۔

مرتبہ نبوت ان وجوہ سے بہت اعلیٰ ہے۔

اگر کہا جائے گا کہ ممکن ہے کہ توبہ کے بعد انہیں نبوت عطا کی گئی ہوگی، ہم کہتے ہیں کہ یہ بات درست نہیں کہ یہ حالت کسی نبی میں پائی جائے۔

(۴) اس حدیث میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفل کی مغفرت کر دی: اگر یہ اعطاء نبوت ہوتا تو اس کی جگہ کہا جاتا کہ ''اللہ تعالیٰ نے کفل کو نبوت عطا کر دی''۔

(۵) ابن عربی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے:

---

[1] رواہ الترمذی و احمد

﴿"وَإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِينَ وَأَدْخَلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُم مِّنَ الصَّالِحِينَ" ﴾

(سورۃ الانبیاء: ۸۵، ۸۶)

"اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل (کو بھی یاد کرو) یہ سب صبر کرنے والے تھے اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کیا بلاشبہ وہ نیکوکار تھے۔"

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے صبر وصلاح کو ان حضرات کی صفت لازمہ قرار دیا، ان میں حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا ذکر بھی ہے، یہ صفات اس قصہ کے متعارض ہیں کیونکہ کفل کسی گناہ کے ارتکاب سے نہ چوکتا تھا پھر اس نے توبہ کی اور اسی رات مر گیا۔

﴿فوائد﴾

توبہ کی قبولیت کے سلسلہ میں یہ دوسرا قصہ پیش کیا گیا، یہ قصہ بھی سابقہ قصہ کی طرح اللہ کی طرف سے حاصل ہونے والی مغفرت وبخشش کی دلیل ہے خواہ کسی بھی گناہ پر ہو، اس آدمی کی زندگی اس قدر گناہوں میں ڈوبی ہوئی تھی کہ یہ کسی گناہ کا ارتکاب کرنے سے نہ جھجکتا تھا بلکہ ہر گناہ کو ڈنکے کی چوٹ پر کرتا تھا، پھر اللہ کی رحمت نے اسے ایک ایسے وقت میں آگھیرا جبکہ وہ خطرناک ترین گناہ یعنی زنا میں ملوث ہونے کا ارادہ کر چکا تھا، پس جب اس نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ کو قبول فرمالیا اور اس پر اپنا فضل واحسان فرمایا اور اسے ایسی کرامت عطا فرمائی جو اس کی صلاح وتقویٰ کی گواہ بن گئی کیونکہ جب رات کو اس کا انتقال ہوا تو صبح کو اس کے دروازہ پر لکھا تھا:

"اللہ تعالیٰ نے کفل کی مغفرت کردی ہے"۔

مذکورہ قصہ سے حاصل ہونے والے فوائد کو مختصر انداز میں پیش کیا جاتا ہے:

(۱) ناداری کا نقصان اور خطرہ:

قصہ میں مذکورہ عورت کا اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے زنا جیسے بدترین جرم کا ارتکاب کرنے پر آمادہ ہونا اور اپنی عزت کو خراب کرنے پر تیار ہو جانا فقر و ناداری کی برائی اور نقصان کی دلیل ہے، اس لئے کہ اگر ناداری، فقر اور حاجت نہ ہوتی تو یہ عورت اپنی عصمت کی حفاظت کرتی اور اس جرم عظیم کے لئے تیار نہ ہوتی۔

کتنی ہی مثالیں ایسی ہیں کہ زندگی کی خرابی میں فقر ہی بے حیائی، گناہوں میں پڑنے اور عصمت دری کا سبب بنا۔

اسی وجہ سے حضور ﷺ کی تعلیمات میں ہمیں حضور ﷺ کی دعا ملتی ہے کہ آپ فقر سے پناہ مانگا کرتے تھے اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس بات کی تلقین کیا کرتے تھے، آپ فرماتے تھے:

''اے اللہ! میں کفر اور ناداری سے تیری پناہ مانگتا ہوں''۔[۱]

آپ نے اپنے صحابہ کو حکم فرمایا، ''تم فقر، قلت، ذلت، ظلم کرنے اور ظلم کئے جانے سے اللہ کی پناہ کو طلب کرو''۔[۲]

اگرچہ بعض ائمہ کرام کی کتابوں میں ان کی عبارات سے فقر کی افضلیت معلوم ہوتی ہے لیکن یہ ایک دوسرے زاویہ نگاہ سے ہے، اس افضلیت سے مقصود نہ تو فقر کا بالذات افضل ہونا ہے اور نادار بننے کی ترغیب ہے، بلکہ اس کی افضلیت صرف اس بنا پر قرار دی گئی کہ اس کی وجہ سے انسان میں صبر اور تواضع پیدا ہوتے ہیں۔ یحیٰی بن معاذؒ کے سامنے فقر و غنی کے فیصلہ کو رکھا گیا کہ ان دونوں میں سے کیا افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: ''کل قیامت کے دن فقر و غنی کا وزن نہیں کیا جائے گا بلکہ صبر اور شکر کا وزن کیا جائے گا''۔

۱۔ رواہ ابوداؤد و النسائی و احمد

۲۔ رواہ النسائی و ابن ماجہ و احمد

(۲) گفتگو میں عمدہ اور مناسب الفاظ و تعبیرات کا استعمال:

اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص پر یہ بات لازم ہے کہ وہ اپنی گفتگو کے اندر پاکباز اور عفیفانہ طرز کے الفاظ کو استعمال کرے خاص طور پر اس وقت جب وہ مرد و عورت کے باہمی تعلق کے متعلق کوئی گفتگو کرنا چاہے اور اسے یہ بھی چاہئے کہ وہ ایسے کنائی الفاظ استعمال کرے جو اسے صریح الفاظ کے استعمال سے بے نیاز کردیں۔

یہ بات ہمیں حضور ﷺ کے قول "علی ان یطأھا" یعنی "کفل نے عورت کو ساٹھ دینار اس بات پر دیئے کہ وہ اس سے وطی کرے گا" اور آپ کے قول، "فلما قعد منھا مقعد الرجل من امراتہ" یعنی "جب وہ مرد کے عورت کے ساتھ خاوند کے بیٹھنے کی جگہ بیٹھ گیا" سے معلوم ہوتی ہے اور یہ دونوں اسی قبیل سے ہیں۔

قرآن کریم نے بھی ہمیں بہت سی مثالوں میں اس قسم کا التزام کرنے کی تعلیم دی ہے جن میں کچھ غیر مناسب بات ذکر کی جاتی ہے، کیونکہ نظافت سے بھرپور اسلوب کے استعمال کرنے سے حرج ختم ہو جاتا ہے اور کلام کی گراوٹ اس کی بلندی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

قرآن مجید میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(۱) ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ﴾ (سورۃ البقرۃ:۱۸۷)

"روزوں کی راتوں میں تمہارے لئے اپنی عورتوں کے پاس جانا جائز کردیا گیا ہے۔"

(۲) ﴿فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ﴾

(سورۃ البقرۃ:۲۲۲)

"ہاں جب پاک ہو جائیں تو جس طریق سے خدا نے تمہیں ارشاد

فرمایا۔ یہ ان کے پاس چھوڑ۔‘‘

(۳) ﴿وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ﴾

(النساء: ۲۱)

’’اور تم دیا ہوا مال کیونکر واپس لے سکتے ہو جبکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ صحبت کر چکے ہو۔‘‘

قرآن کریم اور سنت نبویہ نے صریح اسم کو استعمال کرنے کی طرف مجبور نہیں کیا سوائے ان جگہوں کے جہاں کوئی مصلحت ہو جیسے اشتراک و شرکت کا ازالہ، مجاز کی نفی وغیرہ۔

(۳) برائی کا ارادہ ترک کرنے پر ثواب:

یہ قصہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی برے عمل کا ارادہ کرے اور اسے اللہ کے خوف اور اس کے انعامات کے شوق میں چھوڑ دے تو اس کے لئے نیکی لکھ دی جاتی ہے۔

ایک حدیث صحیح میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ ’’فرشتے عرض کرتے ہیں ’’اے ہمارے رب! تیرے فلاں بندہ نے برائی کا ارادہ کیا ہے‘‘ (حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والے ہیں) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ’’اس کی نگرانی کرو اگر وہ برائی کرے تو اس کا ایک گناہ لکھ لو اور اگر وہ اس کو چھوڑ دے تو اس کے لئے نیکی لکھ دو کیونکہ اس نے اس برائی کو میری وجہ سے چھوڑا ہے۔‘‘[1]

اس معنی میں اور بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں میں نے صرف اس حدیث کو ذکر کیا جو اپنے معنی پر دلالت میں سب سے زیادہ واضح ہے۔

(۴) معاشرہ کی درستگی میں عورت کا کردار:

اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کے اندر عفت و پاکدامنی کے پھیلانے

---

[1] رواہ مسلم و احمد

میں عورت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے لیکن یہ اس وقت ہوگا جب عورت اپنے تمام اقوال و اعمال میں شریعت الہیہ کی پابند ہوگی۔ خاص طور پر ان اعمال میں جو فتنہ کے پھیلنے کا سبب بن سکتے ہیں جیسے لباس، گفتگو، گھر سے باہر نکلنا وغیرہ۔

اس قصہ میں مذکورہ عورت اپنی خشیت اور خوف خدا کی وجہ سے ایک ایسے شخص کی تبدیلی کا سبب بن گئی جس کی زندگی کا اکثر حصہ گناہوں کی دلدل میں گزر گیا تھا، اس نے توبہ کی اور اللہ کی طرف متوجہ ہوا پھر اسی رات اس کا انتقال ہوا اور اللہ نے اس کی بخشش کردی۔

یہ بات بھی غور طلب ہے کہ عورت کا بگاڑ اور فسق و فجور پورے معاشرے کی خرابی اور پاکباز لوگوں کی گمراہی اور فتنہ میں پڑنے کا سبب بن سکتا ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میرے بعد مردوں کے لئے عورتوں سے بڑھ کر فتنہ میں ڈالنے والی کوئی چیز نہیں'' ۔[1]

اس حکمت کے پیش نظر اسلام اپنی شریعت سازی میں عورت کے پردہ اور اس کے گھر میں ٹھہرنے کو ضروری قرار دیتا ہے پس اگر وہ کسی حاجت شرعیہ کے تحت گھر سے باہر نکلتی بھی ہے تو اسے چاہئے کہ پردہ کرکے سادگی کے ساتھ فتنہ و فساد سے محفوظ رہتے ہوئے نکلے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ﴾

(سورۃ الاحزاب: ۳۳)

''اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جس طرح (پہلے) جاہلیت (کے دنوں) میں اظہار تجمل کرتی تھیں اس طرح زینت نہ دکھاؤ۔''

مذکورہ آیت اور اس سے اگلی پچھلی آیت میں اگرچہ خطاب تو ازواج مطہرات کو ہے لیکن اصولیین کے قول کے مطابق ''تعبیر عموم لفظ سے ہوتی ہے نہ کہ خصوص سبب سے''۔

[1] رواہ البخاری و مسلم و الترمذی و ابن ماجہ و احمد

مذکورہ گفتگو میں مرد کے کردار سے قطع نظر نہیں کیا جا رہا کیونکہ مرد تو گھر کا سرپرست اور نگہبان ہے جس سے اللہ تعالیٰ اس کی رعیت کے بارے میں سوال کرے گا، اگر مرد و عورت دونوں اللہ تعالیٰ کے اوامر کو پورا کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے پھر ہی زندگی کی کشتی درست انداز میں چل سکتی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾

(سورة المائدة: ۲)

''اور (دیکھو) نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔ اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ خدا کا عذاب سخت ہے۔''

﴿مکارمِ اخلاق سے متعلق نبوی قصے﴾

تمہید

اخلاق و عادات اور عمدہ خصائل وصفات اسلام میں ممتاز حیثیت اور بلند مرتبہ کے حامل ہیں، عمدہ اخلاق اس دین کی بنیاد اور اس کی تعلیمات کو لازم پکڑنے کا ثمرہ ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں ''مجھے عمدہ اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہے''۔[1]

عمدہ اخلاق و عادات کی ایک بڑی اہمیت یہ ہے کہ ان کو اصل اور اعمال انسانی کو فروع قرار دیا گیا ہے، اسی بارے میں امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''جیسے تخلیق و بناوٹ ظاہر کی صورت ہیں اسی طرح اخلاق و عادات باطن کی صورت ہیں''۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا اخلاق حسنہ اور صفات جمیلہ کے ساتھ متصف ہونا عمدہ افعال اور قابل تعریف طرز زندگی پر چلنے کا باعث بنتا ہے اگر کوئی شخص اخلاق حسنہ سے خالی ہو تو وہ شر کے پھیلنے اور نقصان کی اشاعت کا ذریعہ بنتا ہے۔

انسانی اعمال اور انسانی اخلاق و عادات کے درمیان باہمی تعلق کو بیان کرتے ہوئے ابو حامد غزالی فرماتے ہیں:

''جو شخص نجات حاصل کرنا چاہتا ہے تو نجات عمل صالح کے بغیر ممکن نہیں اور اعمال صالحہ کا صدور اخلاق حسنہ کے بغیر ممکن نہیں''۔

شاعر احمد شوقی کہتے ہیں:

صلاح أمرک للأخلاق مرجعه

فقوّم النفس بالأخلاق تستقم

''تیرے معاملہ کی درستگی اور اس کا مرجع و ماویٰ اخلاق ہیں لہٰذا اگر تو اپنے نفس کو

---

[1] رواہ احمد و مالک

اخلاق سے قیمتی بنالے تو سیدھے راستہ پر چل پڑے گا"۔

اسی وجہ سے اسلام نے اپنے مصادر اصلیہ یعنی قرآن وسنت میں مکارم اخلاق کے اپنانے پر زور دیا اور عمدہ اخلاق سے مزین ہونے کی ترغیب کے ساتھ ساتھ ان پر ثواب کا وعدہ کیا اور بری عادات واخلاق کے اپنانے پر عذاب سے ڈرایا ہے۔

قرآن کریم کی بہت سی آیات کریمہ میں کہیں تفصیل کے ساتھ اور کہیں اجمالی طور پر عمدہ اخلاق وعادات کا تذکرہ ملتا ہے اور بہت سی احادیث نبویہ ﷺ عمدہ اخلاق کے اختیار کرنے کی ترغیب اور برے اخلاق کو چھوڑنے کی نصیحت پر مشتمل نظر آتی ہیں۔

لیکن چونکہ بات کی وضاحت مثال سے ہوتی ہے اور اوامر مجردہ کی تائید واقعات کے شواہد سے ہوتی ہے، اس حکمت کے پیش نظر اخلاقیات کی تعلیمات نبویہ میں بہت سے قصوں اور واقعات کا تذکرہ ملتا ہے، ان قصوں میں حضور ﷺ نے عمدہ اخلاق کی مختلف جوانب کے اپنانے اور برے اخلاق کی مختلف اصناف سے باز رہنے کی تلقین بھی فرمائی ہے۔

مکارم اخلاق سے متعلق نبوی واقعات وقصص کے تذکرہ میں پہلے اخلاق حسنہ کا ذکر کیا جائے گا پھر اس کے بعد اخلاق سیئہ کا تذکرہ ہوگا۔

مکارم اخلاق سے متعلق قصے دو طرح کے ہیں:

(۱) دینی تعلیمات پر ابھارنا اور ترغیب دینا، ان میں سے بعض قصوں کا تعلق دل کے ساتھ، بعض کا نفس کے ساتھ اور بعض کا بدن کے ساتھ ہے۔

(۲) معاشرتی امور میں حسن اخلاق وعادات کے متعلق قصہ جات، جن میں لوگوں کے باہمی معاملات اور حسن معاشرت کا تذکرہ ہے۔

(۱) ﴿خوف خدا﴾

اپنی میت کو جلانے کی وصیت کرنے والے شخص کا قصہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، حضور ﷺ نے بیان

فرمایا کہ "پہلے زمانہ میں ایک آدمی تھا جسے اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ مال و دولت عطا کیا تھا، جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا "تمہاری اپنے والد کے متعلق کیا رائے ہے؟" بیٹوں نے کہا، "آپ بہترین والد ہیں"۔

اس شخص نے کہا "میں نے کبھی کوئی نیک کام نہیں کیا، جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا پھر مجھے پیس دینا، پھر تیز ہوا کے دن مجھے (میری راکھ کو) بکھیر دینا"۔ لہٰذا اس کے بیٹوں نے ایسا ہی کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اسے جمع کیا اور اس سے پوچھا "تجھے کس چیز نے ایسا کرنے پر ابھارا" اس نے عرض کیا، "تیرے خوف نے" پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت عطا کر دی (یعنی اسے معاف کر دیا)۔[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، "پھر مجھے ہوا میں اڑا دینا، کیونکہ خدا کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر قادر ہو گیا تو مجھے ایسا عذاب دے گا جو اس نے کسی کو نہ دیا ہوگا"۔ جب اس کا انتقال ہو گیا تو اس کے ساتھ ایسا ہی کیا گیا"۔

﴿فوائد﴾

(۱) اللہ کا خوف راہِ نجات ہے:

اس قصہ سے اللہ کے خوف کی فضیلت اور خشیت الٰہی کا فائدہ معلوم ہوتا ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کا خوف دنیا و آخرت کی امن و سلامتی اور مغفرت و بخشش کا ضامن ہے۔ اس قصہ میں اللہ کے خوف کی ایک عظیم الشان مثال موجود ہے کہ اس شخص نے اپنے بیٹوں وصیت کی کہ اس کے مرنے کے بعد اسے جلا دیا جائے اور جب اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ "تجھے ایسا کرنے پر کس چیز نے مجبور کیا؟" اس نے جواب دیا، "تیرے خوف نے"۔

---

[1] اخرجه البخاری و مسلم و ابن ماجة و النسائی والدارمی و احمد

دنیا میں اللہ کا خوف آخرت میں نجات کا ذریعہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ ..... نَدْعُوْهُ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ﴾ (سورۃ الطور: ۲۵-۲۸)

''اور ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے آپس میں گفتگو کریں گے، کہیں گے کہ اس سے پہلے ہم اپنے گھر میں (خدا سے) ڈرتے رہتے تھے تو خدا نے ہم پر احسان فرمایا اور ہمیں لُو کے عذاب سے بچا لیا۔ اس سے پہلے ہم اس سے دعائیں کیا کرتے تھے۔ بے شک وہ احسان کرنیوالا مہربان ہے۔''

(۲) جاہل کی غلطی پر اس کے عذر کو قبول کرنا:

اس قصہ سے بہت سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کے عذر کو قبول فرماتے ہیں جو اسی حکم سے جہالت کی بنا پر کسی معصیت کا ارتکاب کرتا ہے، اس بات سے قطع نظر کہ وہ مسئلہ عقائد سے متعلق ہو یا اعمال سے، اصولی مسئلہ ہو یا فروعی۔

ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

کسی کو کافر قرار دینا وعید کی قبیل سے ہے، اگرچہ حضور ﷺ کے کسی فرمان کی تکذیب ہی کیوں نہ کر رہا ہو، لیکن بعض اوقات کوئی شخص نومسلم ہوتا ہے یا کسی دور دراز کے جنگل میں اس نے نشو ونما حاصل کی ہوتی ہے۔ ایسے شخص کے انکار پر اسے اس وقت تک کافر نہ کہا جائے گا جب تک اس کے خلاف کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے۔

بعض اوقات کسی شخص نے ان احادیث کو سنا ہی نہیں ہوتا یا سنا تو ہوتا ہے لیکن اس کے نزدیک یہ ثابت شدہ نہیں ہوتیں یا ان احادیث کا کوئی معارض موجود ہوتا ہے تو اس صورت حال میں اس کے قول کی تاویل کرنا واجب ہوگا اگرچہ وہ شخص

غلطی پر ہے۔

میں ہمیشہ صحیحین میں آنے والی اس حدیث کے بارے میں سوچا کرتا تھا جس میں ایک شخص نے کہا: ''جب میں مرجاؤں تو مجھے جلا دینا''۔ (ابن تیمیہؒ نے پوری حدیث ذکر کرنے کے بعد فرمایا) اس شخص کو اللہ کی قدرت اور اپنے ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے میں نہ صرف یہ کہ شک تھا بلکہ اسے یقین تھا کہ اسے دوبارہ نہ اٹھایا جائے گا اور یہ بالاتفاق کفر ہے لیکن وہ شخص جاہل اور حقیقت کو نہ جانتا تھا۔ بہرحال وہ شخص مومن تھا اور اسے اللہ کی سزا کا خوف تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما دیا''۔

اصول اور فروعی مسائل کے درمیان عدم فرق کی رائے کو بیان کرتے ہوئے امام ابن تیمیہؒ ان افعال واقوال کو ذکر کرنے کے بعد جن کے ارتکاب سے انسان کافر ہو جاتا ہے، بیان فرماتے ہیں:

''جو شخص مومن ہو اور حق کی طلب میں جستجو کرنے والا ہو لیکن غلطی کر بیٹھے اللہ تعالیٰ اس کی غلطی کو معاف کر دیتے ہیں خواہ وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو... مسائل نظریہ میں ہو یا مسائل عملیہ میں، یہی وہ موقف ہے جسے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اور جمہور ائمہ اسلام نے اختیار کیا ہے اور انہوں نے مسائل کی تقسیم بھی نہیں کی کہ بعض مسائل اصول ہیں جن کا انکار کفر ہے اور بعض مسائل فروع جن کا انکار کفر نہیں ہے، یہ ایک ایسا فرق ہے جس کی صحابہ کرام، تابعین اور مسلمان ائمہ سے کوئی اصل منقول نہیں بلکہ یہ تو بعض معتزلہ اور ان جیسے دوسرے اہل بدعت حضرات سے ماخوذ ہے اور انہیں سے حاصل کر کے فقہاء نے انہیں اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے''۔

(۳) کفر اور کافر کے درمیان تفریق ضروری ہے:

اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر کے اطلاق اور کفار کی تعیین میں فرق ہے، کفر ان اعمال واقوال اور منافی ایمان امور کا نام ہے جن کا داعی بعض اوقات فاعل کا جہل بھی

ہوتا ہے، اس صورت میں اس شخص پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا یہاں تک اس کے خلاف کوئی حجت قائم ہو جائے۔

اس قصہ میں اس بات کا محل استشہاد یہ ہے کہ اس شخص نے ایسا فعل کیا جو ظاہر کے اعتبار سے کفار کا فعل ہے لیکن چونکہ اس پر ابھارنے والی چیز جہالت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا۔

یہ قصہ ایک بہت مشکل مسئلہ میں مسلمانوں کی راہ نمائی کرتا ہے وہ مشکل مسئلہ کسی کو کافر قرار دینے کا ہے، اس مسئلہ کی پیچیدگی کی وجہ سے ہر شخص کے لئے دوسروں کو کافر قرار دینے کی گنجائش نکلتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس قصہ میں مسلمانوں کے لئے ایسے راستوں کی طرف راہ نمائی موجود ہے جس کی وجہ سے وہ اس دشوار گزار گھاٹی میں لغزش سے محفوظ رہ سکتے ہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی شخص کسی کو کافر قرار دے اور وہ ایسا نہ ہو تو اس کا وبال اسی کہنے والے پر آ کر گرے گا۔

ایک صحیح حدیث میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ ''جب کوئی شخص اپنے بھائی کو ''اے کافر'' کہے تو دونوں میں سے ایک اس کا شکار ہوتا ہے''۔[۱]

امام مسلم کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ، ''اگر وہ واقعی کافر ہو تو ٹھیک ورنہ اس کا قول اسی پر لوٹتا ہے''۔

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ مستحق کفر پر کفر کے اطلاق میں باریک بینی اور غور و فکر سے کام لینا چاہئے اور کافر قرار دینے والی تمام شرائط کا لحاظ کرنا چاہئے اور اگر کوئی ایسا امر پایا جائے جو کسی شخص پر کفر کے اطلاق سے پھیرنے والا ہو تو اسے قبول کیا جائے گا خواہ وہ کمزور ہی کیوں نہ ہو۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

''ہر عالم کے ضروری ہے کہ وہ ایسے شخص کو کافر قرار دینے سے احتراز کرے جس کے متعلق کوئی نہ کوئی راستہ نکلتا ہو، کیونکہ قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے والوں

---

[۱] اخرجه البخاری و مسلم و الترمذی و مالک و احمد

اور صراحت کے ساتھ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے والوں کو مباح الدم قرار دینا غلطی ہے، غلطی سے ہزار کافروں کو زندہ چھوڑ دینا ناحق ایک مسلمان کے خون کا قطرہ بہا دینے سے چھوٹی خطا ہے"۔

(۴) شکر

تین معذور افراد کا قصہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "بنی اسرائیل میں تین آدمی تھے، ایک اندھا، دوسرا کوڑھی اور تیسرا گنجا اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمانے کا فیصلہ کیا اور ان کی طرف ایک فرشتہ کو بھیجا، فرشتہ سب سے پہلے کوڑھی کے پاس آیا اور اسے کہا، "تجھے سب سے زیادہ کیا چیز محبوب ہے؟" اس نے کہا "خوبصورت رنگ اور خوبصورت جلد، کیونکہ لوگ مجھے برا سمجھتے ہیں"۔ فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اسکی بیماری دور ہوگئی اور اسے خوبصورت رنگ اور خوبصورت کھال حاصل ہو گئی۔ پھر فرشتہ نے اس سے پوچھا: "تجھے کون سا مال سب سے زیادہ محبوب ہے؟" اس نے جواب دیا: "اونٹ" فرشتہ نے اسے ایک دس ماہ کی حاملہ اونٹنی عطا کی اور اس کے لئے برکت کی دعا کی۔

پھر وہ فرشتہ گنجے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا "تجھے سب سے زیادہ محبوب چیز کونسی ہے؟" گنجے شخص نے کہا "خوبصورت بال اور یہ کہ مجھ سے یہ بیماری دور ہو جائے کیونکہ اس کی وجہ سے لوگ مجھے برا سمجھتے ہیں"۔ فرشتہ نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کے بال نکل آئے اور اس کی بیماری ختم ہوگئی، فرشتہ نے اس سے پوچھا "تجھے مال کونسا پسند ہے؟" اس نے جواب دیا "گائے" اس پر فرشتہ نے اسے ایک حاملہ گائے عطا کر دی۔

پھر وہ فرشتہ نابینا شخص کے پاس گیا اور اس سے پوچھا "تجھے سب سے زیادہ محبوب چیز کون سی ہے؟" اس نے کہا "اللہ تعالیٰ میری بینائی واپس کر دیں تاکہ میں لوگوں

کو دیکھ سکوں" فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کی بینائی واپس آ گئی۔ فرشتے نے اس سے پوچھا "تجھے سب سے زیادہ محبوب مال کون سا ہے؟" اس نے جواب دیا "بکری" اس پر فرشتے نے اسے ایک حاملہ بکری عطا کر دی۔

ان تینوں جانوروں میں سے ہر ایک نے بچوں کو جنم دیا، جس کی وجہ سے کوڑھی کے پاس بہت سے اونٹ، گنجے کے پاس بہت سی گائیں اور اندھے کے پاس بہت سی بکریاں جمع ہو گئیں۔

پھر وہ فرشتہ کوڑھی کی صورت و ہیئت میں پہلے آدمی کے پاس آیا اور اسے کہا "میں ایک مسکین و نادار شخص ہوں، سفر کے دوران میرے اسباب زندگی ختم ہو گئے ہیں، مجھے اللہ کے بعد صرف تیرا ہی سہارا ہے اور میں تجھ سے اس ذات کے واسطے سے مانگتا ہوں جس نے تجھے خوبصورت رنگ اور خوبصورت جلد عطا کی ہے کہ تو مجھے ایک اونٹ عطا کر دے جس کے ذریعہ میں اپنا سفر جاری رکھ سکوں" وہ جواب میں بولا "اس میں بہت سے لوگوں کا حصہ ہے" فرشتے نے کہا "شاید کہ میں تجھے جانتا ہوں تو وہی شخص نہیں ہے جو کوڑھی تھا اور لوگ تجھے برا خیال کرتے تھے، تو فقیر و نادار تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے تجھے مال و دولت سے نواز دیا؟" وہ شخص بولا "میں تو اپنے آباؤ و اجداد کا وارث بنا ہوں" فرشتے نے کہا "اگر تو جھوٹا ہو تو تیرا انجام ویسا ہی ہو جیسا تو تھا۔"

پھر وہ فرشتہ گنجے شخص کے پاس آیا اور اس سے بھی یہی بات کی، اس نے بھی وہی جواب دیا جو کوڑھی نے دیا تھا، فرشتے نے اس کو بھی کہا کہ اگر تو جھوٹا ہو تو اللہ تعالیٰ تجھے بھی ایسا ہی بنا دے جیسا تو تھا۔

پھر وہ فرشتہ اندھے شخص کے پاس آیا اور اسے کہا "میں مسکین و نادار شخص ہوں اور مسافر ہوں، میرے اسباب سفر ختم ہو چکے ہیں، میرا اللہ کے بعد تیرے سوا کوئی سہارا نہیں، میں تجھ سے اس ذات کے واسطے سے ایک بکری مانگتا ہوں جس نے تجھے بینائی عطا کی ہے تاکہ میں سفر کو جاری رکھ سکوں" اس شخص نے کہا "میں نابینا تھا اللہ تعالیٰ نے میری

بینائی لوٹا دی۔ میں نادار تھا اللہ نے مجھے مالدار بنا دیا، تو جو چاہے حاصل کر لے، خدا کی قسم میں تجھے کسی چیز سے نہیں روکوں گا جو تو میرے مال سے اللہ کے لئے لے گا" فرشتہ نے کہا "اپنے مال کو اپنے پاس رکھو، تمہیں آزمایا گیا تھا اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی اور تیرے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہو گیا ہے"۔[1]

شرح قصہ

قصہ میں مذکور فرشتہ کا یہ قول "میں مسکین آدمی ہوں اور میرے اسباب سفر باقی نہیں رہے" جھوٹ خیال نہ کیا جائے جس سے فرشتوں کی عصمت عیب زدہ ہو جائے گی، کیونکہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتلاء و آزمائش کی حکمت کے پیش نظر مذکورہ کلام کو اس کے لئے مباح قرار دے دیا ہو اور وہ فرشتہ اللہ کے امر کو نافذ کرنے والا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے کلام کی مراد یہ ہو کہ میں ایسا آدمی ہوں جیسا کہ تجھے میری حالت ظاہری سے معلوم ہو رہا ہے۔ میرے نزدیک پہلی رائے زیادہ قوی ہے کیونکہ فرشتے اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کرتے بلکہ ہر کام اللہ تعالیٰ کی مرضی اور حکم سے کرتے ہیں، جیسا کہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

﴿لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ﴾

(سورۃ التحریم: ۶)

"جو ارشاد خدا ان کو فرماتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اُسے بجالاتے ہیں۔"

﴿فوائد﴾

(۱) شکر نعمت کی بقاء کا ضامن ہے

یہ قصہ ہمیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات اپنے بندوں کو

---

[1] اخرجه الشيخان

نعمت کی فراوانی اور خوشحالی کے فیضان سے نوازتا ہے تا کہ وہ دیکھے کہ بندے اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کرتے ہیں یا ناشکری کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّىْٓ اَكْرَمَنِ﴾ (سورۃ الفجر: ۱۵)

''مگر انسان (عجیب مخلوق ہے کہ) جب اس کا پروردگار اس کو آزماتا ہے کہ اسے عزت بخشتا ہے تو کہتا ہے کہ (آہا) میرے پروردگار نے مجھے عزت بخشی۔''

اس قصہ سے ہمیں نعمتوں کی حفاظت کا طریقہ بھی معلوم ہوتا ہے اور وہ طریقہ موجودہ نعمتوں کا شکر اور مزید نعمتوں کی درخواست ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِىْ لَشَدِيْدٌ﴾ (سورۃ ابراھیم: ۷)

''اگر شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو (یاد رکھو) میرا عذاب (بھی) سخت ہے۔''

یہ قصہ شکر کے بہترین اسلوب کی طرف انسان کی راہ نمائی کرتا ہے اور یہ دو طریقوں پر مشتمل ہے:

(۱) نعمت یافتہ شخص اللہ تعالیٰ کا خوب شکر ادا کرے اور کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے نعمت کی ناشکری یا اس کی حقیقت کو چھپانے کا رنگ جھلکتا ہو، ابن القیم الجوزیہ نے نقل کیا ہے، ایک بزرگ کا ارشاد ہے: ''جس نے نعمت کو چھپایا اس نے ناشکری کی اور جس نے نعمت کا اظہار وافشاں کیا اس نے نعمت کا شکر ادا کیا''۔

یہ معنی تیسرے شخص یعنی نابینا کے قول سے معلوم ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بینائی عطا کر دی تھی اس نے کہا تھا کہ ''میں نابینا تھا اللہ نے مجھے بینائی عطا کی اور میں فقیر تھا اللہ نے مجھے مالدار کر دیا''۔

(۳) نعمت کو اس کے مقصد میں استعمال کرے اگر مالدار ہو تو اللہ کی راہ میں خرچ کرے، اگر طاقتور ہو تو کمزور کی مدد کرے، صاحب مقام و مرتبہ ہو تو لوگوں کی سفارش کرے اور انہیں فائدہ پہنچائے، اللہ تعالیٰ نے شکر کے اسی اسلوب عملی کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

﴿اِعْمَلُوْا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾

(سورۃ سبا۔۱۳)

''اے داؤد کی اولاد (میرا) شکر کرو اور میرے بندوں میں شکر گزار تھوڑے ہیں۔''

یہ معنی تیسرے شخص کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے جس نے کہا کہ ''تو جو چاہے میرے مال سے اللہ کے لئے حاصل کر لے'' اس کے اس قول کی وجہ سے اس کی نعمت دائمی ہوگئی اور زوال سے محفوظ ہوگئی، جبکہ جب اس کے دونوں ساتھیوں نے نعمت پر بخل کیا اور اس کی ناشکری کی تو ان کی نعمت مکمل طور پر زائل اور ختم ہوگئی۔

(۲) تندرستی ہزار نعمت ہے

اس قصہ میں عافیت کی نعمت کے پورا کرنے کی بدولت اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کی طرف اشارہ ملتا ہے، یہ ایک ایسی نعمت ہے جو ہم میں اکثر لوگوں کو حاصل ہے، قصہ میں مذکور تین شخصوں کو فقر کے ساتھ ساتھ مختلف قسم کی آزمائشوں میں مبتلا کیا گیا، لیکن جب فرشتہ کے واسطہ سے ان کی محبوب ترین چیز کا سوال کیا گیا تو انہوں نے فوری طور پر عافیت کے حصول کی تمنا وطلب کی۔

اس درس سے ہمیں یہ تعلیم ملتی ہے کہ لازمی طور پر اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی تعریف کرنی چاہئے کہ اس نے ہمیں عافیت جیسی نعمت عطا فرمائی، ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ کی اطاعت کے ذریعہ اس نعمت کی حفاظت و نگرانی کریں تاکہ یہ نعمت زوال کا شکار نہ ہو

جائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ملفوظات میں سے ہے کہ "لوگوں میں سے بعض آزمائش میں مبتلا ہیں اور بعض کو عافیت عطا کی گئی ہے، آزمائش زدہ لوگوں پر رحم کرو اور عافیت پر اللہ کا شکر ادا کرو"۔[1]

یہ بات بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ انسان ہمیشہ ان نعمتوں کو یاد رکھے اور ان کا استحضار کرے تاکہ وہ ہمیشہ اللہ کا شکر ادا کر سکے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

"جان لیجئے کہ نعمت کے شکر سے کوتاہ کرنے والی چیز جہالت وغفلت ہے، لوگ جہالت اور غفلت کی بنا پر نعمتوں کی معرفت سے محروم ہو جاتے ہیں حالانکہ نعمتوں کی معرفت کے بغیر ان پہ شکر کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، جیسا کہ ایک نادار نے ایک اہل بصیرت شخص سے اپنی غربت کی شکایت کی اور اس پر اظہار افسوس کیا تو انہوں نے فرمایا "کیا تو چاہتا ہے کہ تو نابینا ہو اور تیرے پاس دس ہزار درہم ہوں؟" اس نے نفی میں جواب دیا، پھر فرمایا: "کیا تو چاہتا ہے کہ تو گونگا ہو اور تیرے پاس دس ہزار درہم ہوں"؟ اس نے منفی جواب دیا، پھر فرمایا: کیا تو چاہتا ہے کہ تو ہاتھ پاؤں سے محروم ہو اور تیرے پاس بیس درہم ہوں" اس نے کہا "نہیں" پھر فرمایا "کیا تو چاہتا ہے کہ تو مجنون ہو اور تیرے پاس دس درہم ہوں؟" اس نے پھر نفی میں جواب دیا تو بزرگ نے اس سے فرمایا "کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ تو اپنے رب سے شکایت کرتا ہے حالانکہ تیرے پاس پچاس ہزار کا سامان موجود ہے"۔

بعض لوگوں نے خیال کیا ہے کہ عافیت نے کوڑھی اور گنجے کو ہلاک کر دیا، اس سے معلوم ہوا کہ مصیبت پر صبر کرنا عافیت مانگنے سے زیادہ بہتر ہے۔

لیکن میری رائے یہ ہے کہ عافیت اپنی ذات کے اعتبار سے نہ خیر ہے نہ شر، بلکہ

---

[1] موطا مالک۔

کوڑھی اور گنجے کو جس چیز نے نقصان دیا وہ بخل ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے آزمائش کے بجائے عافیت کو طلب کرنا چاہیے۔

اس بات کی تائید حضور ﷺ کے افعال اور دعاؤں سے بھی ہوتی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے، ''اے اللہ میرے جسم میں عافیت عطا فرما اور میری بصارت میں بھی عافیت عطا فرما اور اسے میرا وارث بنا دے۔''[1]

حضور ﷺ نے محض دعا پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ اسباب عافیت کو اختیار فرماتے ہوئے بیماری یا مرض کی صورت میں دوا بھی استعمال فرمائی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دی، اسامہ بن شریک فرماتے ہیں، ''دیہات کے رہنے والے کچھ لوگوں نے عرض کیا، ''یا رسول اللہ! کیا ہم دوائی استعمال نہ کریں''۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ''اے اللہ کے بندوں! دوا استعمال کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی پیدا نہیں کی جس کی دوا نہ پیدا کی ہو، سوائے ایک بیماری کے''۔ لوگوں نے عرض کیا، ''یا رسول اللہ وہ کون سی بیماری ہے؟'' فرمایا، ''وہ بیماری بڑھاپا ہے''۔

حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو عافیت کا سوال کرنے کی تعلیم دی، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان شخص کی عیادت کی جو اتنا کمزور تھا کہ چوزہ کی طرح ہو گیا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ''کیا تو نے کسی چیز کی دعا یا سوال کیا تھا؟'' اس نے عرض کیا، ''جی ہاں، میں کہا کرتا تھا کہ اے اللہ میں آخرت میں گناہوں کی سزا نہیں بھگت سکتا تو دنیا ہی میں مجھے سزا دے دے''۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا: ''سبحان اللہ! تو اس کی طاقت نہیں رکھتا، تو نے یہ کیوں نہ کہا، اے اللہ ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ فرما؟'' اس کے بعد حضور ﷺ نے اس کے لئے دعا فرمائی اور اس کو شفا حاصل ہو

---

[1] اخرجه الترمذی

گئی ہے۔

لیکن انسان پر یہ بات بھی لازم ہے کہ وہ عافیت کا سوال اس وجہ سے نہ کرے کہ اس کی وجہ سے سرکشی اور نافرمانی میں ملوث ہوگا بلکہ اس عافیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا سوال کرے تاکہ وہ حضور ﷺ کی اس دعا کا مصداق بن جائے جو آپ ﷺ نے اپنے ایک صحابی کو سکھائی تھی۔ صحابیؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ مجھے کوئی دعا سکھا دیجیے"، حضور ﷺ نے فرمایا: "تو کہہ

﴿اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِي وَمِنْ شَرِّ بَصَرِي وَمِنْ شَرِّ لِسَانِي وَمِنْ شَرِّ قَلْبِي وَمِنْ شَرِّ مَنِيِّي﴾

"اے اللہ میں اپنے کانوں کے شر سے، اپنی آنکھوں کے شر سے، اپنی زبان کے شر سے، اپنے دل کے شر سے اور اپنی شرمگاہ کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔"[1]

اس حدیث میں ان اشیاء کے شرور سے پناہ مانگی گئی ہے، ان چیزوں سے پناہ نہیں مانگی گئی، اس لئے کہ ان اشیاء کی تخلیق کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر مدد کو طلب کرے۔

(۳) لالچ بری بلا ہے

اس قصہ میں لالچ و بخل کا برا انجام اور اسے اختیار کرنے کا نقصان آشکار ہوتا ہے، اس لئے کہ لالچ ہی نے کوڑھی اور گنجے شخص کو جھوٹ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری پر ابھارا۔

ایک صحیح حدیث میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں، "ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کی صورت میں ہوگا،

۱۔ اخرجہ الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ و احمد

۲۔ اخرجہ الترمذی و ابو داؤد و النسائی

بخل سے بچو کیونکہ بخل نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا، اس بخل نے انہیں اس بات پر ابھارا کہ انہوں نے ناحق خون بہایا اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال قرار دے دیا''۔

چند متفرق فوائد

(۴) تیسرے شخص کا (جسے اللہ تعالیٰ نے بینائی عطا کی تھی) فرشتہ کو سخاوت کرتے ہوئے یہ کہنا کہ وہ جو چاہے اس کے مال سے حاصل کر لے اس بات کی دلیل ہے کہ صدقہ باعث فضل چیز ہے اس سے مال بڑھتا ہے اور ضائع ہونے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

(۵) فرشتہ کا پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس ہو کر مدد طلب کرنے کے لئے آنا اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ کمزور اور محتاج لوگوں کی مدد کی جائے خواہ ان کی حقیقت نہ معلوم ہی کیوں نہ ہو۔

(۶) ان لوگوں کے برے اعمال کا تذکرہ کرنا اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ گزشتہ لوگوں کی برائیوں کو بطور نصیحت کے ذکر کرنا جائز ہے، اسے غیبت نہیں کہا جا سکتا۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کو پہلے فقر و بیماری میں مبتلا کیا پھر صحت و مالداری سے نواز دیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا اپنے بندوں کو جس چیز سے چاہتے ہیں آزماتے ہیں لہذا مومن کو مصیبت میں صبر کرنا چاہئے اور عافیت میں شکر ادا کرنا چاہئے۔

(۳) راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا

آدمی اور کانٹے دار ٹہنی کا قصہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں، سرور دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایک آدمی کسی راستہ سے گزر رہا تھا کہ اس نے ایک کانٹے دار ٹہنی کو دیکھا اور اسے اٹھا کر

ایک طرف پھینک دیا، (اس عمل پر) اللہ تعالیٰ نے اسے اجر دیا اور اس کی مغفرت فرما دی''۔

﴿فوائد﴾

(۱) راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانے کی فضیلت

انسانوں کو اپنی ضروریات کو پورا کرنے اور اپنی مصلحتوں کی ادائیگی کے لئے لازمی طور پر راستوں کو استعمال کرنا پڑتا ہے، اسی بنا پر راستے تمام لوگوں کے درمیان مشترکہ منافع کے لئے استعمال ہوتے ہیں، اس لئے کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی کو راستوں کے استعمال کرنے سے کسی بھی طرح روکے۔

اگر راستہ میں کوئی ایسی خرابی پیدا ہو جائے جو چلنے والوں کو نقصان دے اور ان کے لئے دشواری کا باعث ہے تو اس خرابی کا دور کرنا اور راستہ کو درست کرنا واجب اور ضروری ہے۔

اسلام نے اس واجب کے قائم کرنے کو ایمان کا ایک ایسا شعبہ قرار دیا ہے جس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہو سکتی، ایک صحیح حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں، ان میں سب سے افضل شعبہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنا اور سب سے ادنیٰ شعبہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے، حیاء بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے''۔[1]

اس مقصد میں بھی راستہ سے تکلیف دہ چیز کے ہٹانے کی تاکید موجود ہے کیونکہ یہ ایک ایسا عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش کے حصول اور جنت میں داخل ہونے میں آسانی کا ذریعہ ہے۔

---

[1] اخرجہ مسلم و ابو داؤد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ و احمد۔

اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اس فضیلت کی حفاظت کرنے کی وصیت فرمائی۔ ابو برزہؓ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی چیز سکھا دیجئے جس سے میں فائدہ اٹھاؤں'' حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مسلمانوں کے راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹاؤ''۔[1]

شارع ﷺ نے راستہ سے تکلیف دہ چیز کے ہٹانے کی ترغیب دی ہے جو بھی انسان اسے راستہ میں پڑا ہوا پائے، جیسا کہ اس قصہ میں معلوم ہوتا ہے، اس بنا پر راستہ میں تکلیف دہ چیز کے پھینکنے کی ممانعت تو اور زیادہ موکد ہوگی کیونکہ پرہیز علاج سے بہتر ہے۔

یہ بھی قصہ کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے اور اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ جب تکلیف دہ چیز کے ہٹانے میں اجر کا ثبوت ہے تو ہر اس چیز سے بچاؤ میں اجر کا حصول ہوگا جو مسلمانوں کو نقصان دینے والی ہے خواہ وہ کسی بھی نوع سے کیوں نہ ہو۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ راستوں میں کانٹے، کوڑا کرکٹ، پتھر، راستوں کو خراب کرنے والا پانی اور ہر وہ چیز پھینکنا جو لوگوں کو تکلیف دینے والی ہو، دنیا و آخرت میں برے انجام کا باعث بن سکتی ہے''۔

قصہ میں تو محض لکڑی یا کانٹے دار ٹہنی کو تکلیف دہ چیز کی مثال کے طور پر پیش کیا گیا ہے اس کا شمار ہر اس چیز پر ہوگا جو انسانوں کی تکلیف کا باعث بن سکتی ہو، خواہ وہ چھوئی جانے والی چیز ہو جیسے کانٹے، پتھر اور پھلوں کے چھلکے جن سے پھسلنے یا لڑکھڑانے کا خوف ہوتا ہے، یا سونگھی جانے والی چیز ہو جیسے تمام بدبودار چیزیں یا دکھائی دینے والی چیزیں ہوں جیسے خون اور گندا پانی وغیرہ، یا سنائی دینے والی چیزیں ہوں جیسے راؤڈ اسپیکر کی بلند آواز وغیرہ۔

---

[1] اخرجہ مسلم و ابن ماجہ و احمد

یہ تمام مذکورہ چیزیں اور ان جیسے دوسرے اسباب جن کی وجہ سے راستہ میں چلنے والوں کو کسی بھی طرح نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اس سے رکنا اور انہیں زائل کرنا واجب ہے۔

(۲) مسلمانوں کو فائدہ پہنچانا اور کسی نیکی کو حقیر نہ سمجھنا

یہ قصہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مسلمانوں کی معمولی سی حاجت کو بھی مقدم رکھنا اللہ تعالیٰ کی مغفرت و بخشش کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

اس قصہ میں اللہ کی رحمت و مغفرت کی امید اور خواہش کے طور پر مسلمانوں کے مفاد کو فوقیت دینے کی ترغیب موجود ہے، ایک صحیح حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے، ”جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگ جاتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضرورت پوری کرنے میں لگ جاتے ہیں“۔ (۱)

راستہ سے کانٹے دار ٹہنی کو اٹھانے سے مغفرت کا مل جانا حالانکہ یہ بہت معمولی سا عمل ہے، اس بات کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ کسی نیکی کو معمولی نہ سمجھنا چاہئے اور یہ کہ چھوٹی نیکی پر زیادہ اجر حاصل ہو سکتا ہے اور اللہ کے فضل و کرم میں کوئی کمی نہیں ہے۔

ابن عربیؒ اس بات کو ناممکن خیال فرماتے ہیں کہ آدمی کو مغفرت کا حصول اس عمل کے کرنے پر ہوا، وہ فرماتے ہیں کہ اس کے اعمال کے ترازو کے دونوں پلڑے برابر ہو گئے تھے، جب نیکیوں کے پلڑے میں اس عمل کو رکھا گیا تو وہ جھک گیا اور یہ اس کی مغفرت کی علامت بن گیا۔

ابن عربیؒ کی یہ رائے درست نہیں کیونکہ اللہ کے فضل میں کوئی کمی نہیں، نیز ابوداؤد کی روایت میں موجود ہے کہ اس شخص نے کبھی کوئی نیک عمل نہ کیا تھا۔

داعیانِ اسلام کے لئے ایک ہدایت:

اس قصہ سے داعیانِ اسلام کو یہ راہ نمائی و ہدایت ملتی ہے کہ وہ اس قسم کی معمولی

خدمات کے سرانجام دینے پر لوگوں کی ہمتوں کو برانگیختہ کریں اور یہ کہ انہیں محض انسانی عادات تصور نہ کریں اور لوگوں کو سمجھائیں کہ یہ دین کی مضبوطی اور دین کے بنیادی شعبوں میں سے ہے۔

میں نے ایسے حضرات کو بھی دیکھا جو نوجوانوں کو اس بات کی ترغیب دیتے ہیں کہ وہ اسلامی منہج کی اتباع میں مخلوں کو صاف رکھنے میں معاشرہ کی خدمت کا فریضہ سرانجام دیں۔

یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ دعوت ان دینی امور کو عملی طور پر زندہ کرنے کی محتاج ہے، کیونکہ ایسے امور ہمارے دین دار طبقہ میں اور ہمارے معاشرہ میں انوکھے اور اجنبی سے معلوم ہوتے ہیں جبکہ غیر مسلم ممالک میں یہ رائج ہیں، یہاں تک کہ جمود اور پستی ظلم وزیادتی کے طور پر اسلام کے ساتھ چمٹ چکی ہے اور انسانی طور طریقوں کو ترقی اور فوقیت کا معیار قرار دے دیا گیا ہے۔

ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم

(۴) ﴿نادار کو مہلت دینے کی فضیلت﴾

تنگدست لوگوں کو مہلت دینے والے شخص کی نجات کا قصہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں، سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: گزشتہ لوگوں میں سے ایک آدمی کا حساب لیا گیا تو اس کے اعمال نامہ میں کوئی نیکی نہ ملی سوائے اس کے کہ وہ لوگوں سے میل جول رکھا کرتا تھا، وہ خود مالدار تھا اور اپنے ملازمین کو حکم دیتا تھا کہ نادار اور تنگدست لوگوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں۔ اس کے اس عمل کو دیکھ کر حق تعالیٰ شانہ نے (فرشتوں سے) ارشاد فرمایا: ''ہم اس نرمی کے اس شخص سے زیادہ حق دار ہیں، تم اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو'' [۱]

---

[۱] اخرجہ مسلم و البخاری و الترمذی و ابن ماجہ و النسائی و احمد

﴿فوائد﴾

ناداروں کو قرض دینے اور نرمی کرنے کی فضیلت واہمیت

مالداری و ناداری اور تنگی و کشادگی کے اعتبار سے لوگوں میں فرق ہے، اللہ رب العزت اس فرق کی وجہ کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ﴾

(سورۃ الانعام: ۱۶۵)

''اور وہی تو ہے جس نے زمین میں تم کو اپنا نائب بنایا اور ایک دوسرے پر درجے بلند کیے تاکہ جو کچھ اس نے تمہیں بخشا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔''

اس فرق کا منشاء اور نتیجہ اور اس ابتلاء کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان ایسا مضبوط تعاون پیدا ہو جو تعلقات میں اضافہ کا باعث ہے اور دلوں میں کینہ ومخالفت کے بجائے محبت و مانوسیت کو فروغ دے۔ باہمی تعاون و ہمدردی کی ایک صورت محتاج اور ضرورت مند لوگوں کو قرض عطا کرنا بھی ہے۔

اسلام نے محض قرضہ دینے کی ترغیب پر اکتفا نہیں کیا بلکہ لوگوں کو ایسے آداب عامہ سے روشناس کروایا جن میں بعض کا تعلق قرض دینے والے کے ساتھ ہے اور بعض کا تعلق قرض لینے والے کے ساتھ ہے۔ ان تمام آداب سے مقصود یہ ہے کہ قرض کا معاملہ ان دلوں کے نزدیک محبت کا باعث بن جائے جو اس قسم کے معاملات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول چاہتے ہیں، لہٰذا قرض دینے والا اپنے حق کو ضائع نہ کرے اور قرض لینے والے کو چاہئے کہ قرض کی ادائیگی کے وقت ناگواری کا اظہار نہ کرے، قرض کی ادائیگی اور قرض کا تقاضا کرنے کے آداب کی وجہ سے ہر انسان کا حق اور اس کی عزت محفوظ ہو جاتے ہیں۔

اس قصہ میں نبی اکرم ﷺ نے قرض دینے والے کو عمدہ انداز میں قرض کا مطالبہ کرنے کی راہ تمائی فرمائی اور اسے ترغیب دی کہ نادار شخص کو مہلت دے اور اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرے۔ اس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ عمل کا بدلہ عمل کی جنس سے ہوتا ہے، لہٰذا جو شخص کسی نادار پر آسانی کرے گا اللہ تعالیٰ اس شخص پر آسانی فرمائیں گے۔

یہ قصہ اسی ہدایت کے لئے لایا گیا ہے اور اسی طرح حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

''جو شخص چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن کی سختیوں کو دور کردیں تو وہ نادار کو مہلت دے یا قرض معاف کردے''۔[1]

اسی طرح ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جو شخص نادار کو مہلت دے یا اس کے قرض کو معاف کردے اللہ تعالیٰ اسے اپنے سایہ میں جگہ عطا فرمائے گا''۔

مہلت افضل ہے یا قرض معاف کرنا؟

احادیث مبارکہ میں قرض کی وصول یابی کے سلسلہ میں دو طرح کے احسانات کا تذکرہ ہے۔ (۱) مہلت دینا (۲) قرض معاف کردینا۔

اکثر علماء کے نزدیک قرض کو معاف کردینا مہلت دینے سے زیادہ افضل ہے، اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس پاک ارشاد مبارک سے ہوتی ہے:

﴿وَإِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلٰى مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (سورۃ البقرہ: ۲۸۰)

''اور اگر قرض لینے والا تنگ دست ہو تو (اسے) کشائش (کے حاصل ہونے) تک مہلت (دو) اور اگر (زر قرض) بخش دو تو وہ تمہارے لئے زیادہ اچھا ہے بشرطیکہ سمجھو۔''

یہ قول اصح ہے اس لئے کہ فائدہ کا حصول ادائیگی کے بقدر ہوتا ہے اور یہ بات

---

[1] رواہ مسلم

شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ مال کو ساقط کر دینے میں محض مہلت دینے سے زیادہ ادائیگی ہے۔

تاج تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ اس قول کی مخالفت کرتے ہیں ان کے نزدیک مہلت دینا قرض کو معاف کر دینے سے افضل ہے، ان کی نگاہ میں اس کی دلیل یہ ہے کہ مہلت دینے والے کو انتظار کی شدت کے باعث صبر کی تکلیف اور دل کی بے چینی کو برداشت کرنا پڑتا ہے، جبکہ قرض کے معاف کر دیئے میں امید ختم ہو جاتی ہے اور انسان کو اس حیثیت سے راحت حاصل ہو جاتی ہے کہ اس میں انتظار نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ حدیث سے ہمیں معلوم ہو رہا ہے کہ تنگدست کو مہلت دینے میں ہر دن کے بدلہ صدقہ کا ثواب ملے گا، یہ ثواب تو قرض کی ادائیگی کی مقررہ مدت سے پہلے ہے جب مقررہ وقت آ گیا اور مالک نے پھر اسے مہلت دی تو اس مہلت کے بدلے بھی ہر دن میں صدقہ کا ثواب ملے گا"۔

اسی طرح مہلت دینے والے کا اجر ایام کے اضافہ سے بڑھتا ہے اور ان کی کمی سے اس میں کمی واقع ہوتی ہے مہلت ہر روز انسان کی نیکیوں میں بھرپور اضافہ کا موجب بنتی ہے جبکہ قرض کے معاف کر دینے میں یہ فضیلت نہیں کیونکہ اس کا اجر اگرچہ زیادہ ہی کیوں نہ ہو کبھی نہ کبھی تو ختم ہو ہی جاتا ہے۔

پہلی رائے میرے نزدیک زیادہ قوی اور راجح ہے کیونکہ حقیقی ثواب کا حصول ادائیگی اور مشقت کے بقدر ہوتا ہے نیز یہ کہ دوسری رائے میں قرض دینے والے کی رعایت کی گئی ہے اور مال پر اس کی بے چینی اور صبر کا اعتبار کرتے ہوئے اس کے لئے زیادہ اجر کی سفارش کی گئی ہے جبکہ مقروض کی حیثیت کو فراموش کر دیا گیا حالانکہ وہ زیادہ محتاج اور ضرورت مند ہے اور اسے اس قرض کی پریشانی بھی لاحق ہے۔ جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

"قرض لینے سے اجتناب کرو کیونکہ اس کی ابتداء غم اور انتہا جنگ ہے"۔

جب قرض دینے والا مقروض سے اس بوجھ کو دور کر دے گا تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس بوجھ و پریشانی کو باقی رکھنے والے سے کم ثواب کا حقدار ہے؟۔

اور یہ کہنا کہ مہلت دینے والے کا اجر ہر روز بڑھتا ہے تو یہ بات درست ہے لیکن یہ اجر کی کثرت کو ایام کی کثرت کی بنا پر اتنا بڑھ جانا کہ یہ قرض معاف کرنے کے اجر سے بڑھ جائے، یہ بات قابل قبول نہیں۔

چند متفرق فوائد

(۲) اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹی نیکیاں جو اخلاص کے ساتھ کی جائیں بہت سے گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جاتی ہے اس لئے ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ کسی نیکی کو حقیر نہ سمجھے اور یہ کہ انسان کو فضیلت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ نیکی کو خود کرے یا اس کا وکیل اس کی جگہ فعل خیر کو سرانجام دے۔

(۳) بعض لوگوں نے اس قصہ کی وجہ سے مالداری کے ناداری سے افضل ہونے پر استدلال کیا ہے کیونکہ وہ آدمی مالدار تھا اور محض لوگوں کو قرض میں مہلت دینے کی بنا پر وہ اس فضیلت کا مستحق ہوا، اگر مہلت دینے کی یہ فضیلت ہے تو بھوکوں کو کھانا کھلانے اور مسکینوں کو کپڑے پہنانے کی کیا فضیلت ہوگی؟

لیکن زیادہ بہتر ہے کہ یہ کہا جائے جیسا کہ پہلے بھی معلوم ہوا کہ مالداری و ناداری اپنی ذات کے اعتبار سے نہ تو قابل تعریف ہیں نہ قابل مذمت بلکہ جب انسان اپنی مالداری کو اللہ کی اطاعت میں استعمال کرے گا تو یہ اس کے لئے بہتر ہے ورنہ نہیں۔

(۴) قصہ کی بعض روایات میں اس شخص کا یہ قول منقول ہے کہ

”جب تمہارے پاس کوئی نادار آئے تو اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرو تاکہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ نرمی فرمائے“۔

اللہ تعالیٰ سے نرمی کی امید میں جمع کا لفظ لایا گیا اس سے معلوم ہوا کہ دعا کرنے والے کے لئے اپنی دعا میں عمومیت پیدا کرنا مستحب ہے۔

(۵) اس قصہ میں اس شخص کی یہ صفت ذکر کی گئی کہ وہ لوگوں کے ساتھ میل جول رکھتا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں سے میل جول رکھنا گوشہ نشینی اور تنہائی سے بہتر ہے۔

لیکن اس سلسلہ میں زیادہ درست بات یہ ہے کہ مسلمان کو چاہئے کہ وہ میل جول اور گوشہ نشینی میں سے اس چیز کو ترجیح دے جو اس کے لئے زیادہ مناسب ہو، نہ تو بالکل الگ تھلگ رہے اور نہ ہی لوگوں میں مکمل طور پر گھل مل جائے بلکہ ایسا طرز عمل اختیار کرے جو اس کی دینی زندگی میں فائدہ کا باعث ہو، یہی بات امام شافعیؒ سے منقول ہے، فرماتے ہیں:

"لوگوں سے الگ تھلگ رہنا دشمنی کا پیش خیمہ ہے اور ان میں گھل مل جانا برے دوستوں تک پہنچنے کا زینہ ہے لہٰذا تم ان دونوں کی درمیانی صورت اختیار کرو"۔

(۵) جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا

کتے کو پانی پلانے پر نجات کا قصہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ایک مرتبہ کوئی آدمی کہیں سے گزر رہا تھا، راستہ میں اسے شدید پیاس لگی وہ پانی پینے کے لئے کنویں میں اترا اور پانی تلاش کیا، جب وہ باہر نکلا تو اس نے ایک کتے کو دیکھا جس کی زبان پیاس کے باعث باہر نکلی ہوئی تھی اور وہ کیچڑ کھا رہا تھا، اس آدمی نے کہا، "اس کی بھی وہی کیفیت ہے جو حالت میری تھی" پھر اس نے پانی کو اپنے موزے میں بھرا، اسے اپنے منہ میں دبایا اور اوپر چڑھ آیا اور کتے کو پانی پلایا، اللہ تعالیٰ نے اس کے اس اجر کو قبول فرمایا اور اس کی مغفرت کر دی۔ لوگوں نے عرض کیا، "یا رسول اللہ! کیا ہمارے لئے جانوروں کے بارے میں اجر ہے؟" حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، "ہر زندہ کے ساتھ حسن سلوک میں اجر ہے"۔[1]

[1] اخرجہ البخاری و مسلم و ابوداؤد و مالک و احمد

﴿فوائد﴾

مخلوق پر مہربانی رحمت خداوندی کے حصول کا ذریعہ

ایک صحیح حدیث میں آتا ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، ''خبردار جسم میں گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے اگر وہ درست ہو جائے تو سارا بدن درست ہو جاتا ہے اور اگر اس میں بگاڑ پیدا ہو جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے خبردار! وہ دل ہے۔''[1]

اسلام میں دل کی حیثیت محض ایک گوشت کے ٹکڑے کی سی نہیں ہے بلکہ اسے ایک ایسے زندہ عضو کی نظر سے دیکھا جاتا ہے جو غمگین لوگوں کے غموں کو دور کرتا ہے اور محتاجوں کی ضرورت پوری کرنے کی سعی کرتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو دل ایک بے جان پتھر کی طرح ہے، حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ (سورۃ الحج: ۴۶)

''بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں (وہ) اندھے ہوتے ہیں۔''

اسی طرح فرمایا:

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً﴾ (سورۃ البقرۃ: ۷۴)

''پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے گویا کہ وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت۔''

اس لئے زندہ دل کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسانوں میں تفریق کئے بغیر تمام بنی نوع آدم کے بارے میں مہربان ہو بلکہ انسان و جانور میں بھی تفریق کے بغیر سب پر رحیم ہو۔

---

1 رواہ البخاری و مسلم و ابن ماجہ و الدارمی و احمد

اس آخری بات کی تاکید کے لئے حضور ﷺ نے مذکورہ قصہ کو بیان فرمایا کہ ایک آدمی کی ایک ایسے کتے پر مہربانی کی جو شدید پیاس کی حالت میں تھا، اسے دیکھ کر اس کا دل پسیج گیا اور اس نے اس بے زبان جانور کا دکھ محسوس کیا اور اس کی پیاس کے ازالہ تک اسے صبر نہ آسکا، اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو قبول کیا اور اسے جنت میں داخل کر دیا۔

اگر اس شخص کے لئے عظیم اجر ہے جو کتے کو پانی پلاتا ہے تو اس مخلوق کے ساتھ مہربانی پر اللہ تعالیٰ کیا کچھ عطا فرمائیں گے جسے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات پر فوقیت، برتری اور سربلندی عطا کی ہے۔

اصح قول یہی ہے کہ یہ فضیلت مہربان دل کے لئے ہر جاندار پر رحم کرنے والے کے بارے میں ہے خواہ مسلمان ہو یا کافر، قابل احترام جانور ہو یا غیر قابل احترام۔

امام داودیؒ فرماتے ہیں: ''ہر زندہ کے ساتھ مہربانی کرنے میں اجر ہے اور یہ تمام جانور کو عام ہے، اسی معنی کو اکثر شارحین نے اختیار کیا ہے''۔

اس رعایت کی کافر کے حق میں تائید اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہوتی ہے:

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّأَسِيرًا﴾

(سورۃ الدھر: ۸)

''اور باوجودیکہ ان کو خود طعام کی خواہش (وحاجت) ہے فقیروں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں''۔

اس لئے قیدی جو مسلمانوں کے ہاں قید کئے جاتے تھے عموماً کافر ہی ہوتے تھے۔

امام نوویؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ عموم محترم جانوروں کے ساتھ خاص ہے یعنی وہ جانور جن کے قتل کا حکم نہیں دیا گیا اور جن کے قتل کا حکم دیا گیا ہے ان کے قتل کے بارے میں شرعی امر کی پیروی کی جائے گی۔

صحیح ترین قول وہی ہے جس کی تفصیل پہلے گزری یعنی یہ رحمت جانداروں کے حق میں عام ہے اور اس میں جانور بھی شامل ہے۔

اس حدیث میں حضور ﷺ نے کتے کی مثال پیش کرتے ہوئے تمام جانوروں کے بارے میں رحمت و مہربانی کا مظاہرہ کرنے کی ترغیب دی خواہ وہ قتل کے مستحق ہوں یا نہ ہوں۔

جب شریعت نے تکلیف پہنچانے والے جانوروں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے جیسے باؤلا کتا، تو پیاس کی حالت میں شفقت کرتے ہوئے اسے پانی پلانے اور اس کے ضرر کو سامنے رکھتے ہوئے قتل کر ڈالنے میں کوئی تعارض نہیں۔

یہ تصرف اس اعتبار سے مقتول کو کوئی فائدہ نہ دے گا کہ لامحالہ اس نے قتل تو ہونا ہی ہے بلکہ اس کا فائدہ بھی انسان ہی کو حاصل ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اسے ایک مہربان دل عطا فرمائیں گے جو ہر موقع پر حسن سلوک کو ترجیح دینے والا ہوگا یہاں تک کہ روح نکالنے اور قتل کرنے میں بھی۔

استاد محمد قطب فرماتے ہیں:

''مقتول کو اس بات سے کوئی فائدہ نہیں کہ آپ اسے اچھی طرح سے قتل کریں کیونکہ وہ تو بہر حال دنیا کو خیر باد کہنے والا ہے اور اسے تکلیف بھی پہنچتی ہے جس سے وہ بچ نہیں سکتا لہٰذا آپ کا اسے عمدہ طریقے سے یا برے طریقہ سے قتل کرنا برابر ہے اگر فرق ہے بھی تو بہت کم، لہٰذا عمدہ طریقہ سے قتل کیے جانے میں مقتول کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ اس کا بڑا فائدہ آپ ہی کو حاصل ہوگا وہ یہ کہ آپ کے پاس ایک انسان کا دل ہے''۔

(۲) پانی پلانے کی فضیلت:

شارحین حدیث نے اس قصہ سے استدلال کیا ہے کہ پانی پلانا ایک عظیم نیکی ہے۔ اس سلسلہ میں وہ کسی بزرگ کا قول بھی پیش کرتے ہیں کہ ''جس کے گناہ زیادہ ہو

اس پر پانی پلانا لازم ہے، جب اس شخص کے گناہ معاف ہو گئے جس نے کتے کو پانی پلایا تو تمہارا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جو توحید پر ایمان رکھنے والے شخص کو پانی پلائے اور اس کے ذریعہ اسے زندگی عطا کرے''۔

میرے خیال کے مطابق اس قصہ میں پانی پلانے کا ذکر احسان کی تمام قسموں جیسے کھانے، پہنانے اور علاج ومعالجہ وغیرہ سب پر دلالت کر رہا ہے۔

یہ بات تو طے شدہ ہے کہ انسانی زندگی صرف پانی کی وجہ سے قائم نہیں رہ سکتی لہٰذا آدمی کی ضرورت کے پیش نظر دوسری اشیاء کے ذریعہ مدد کرنے میں اسے اجر عطا کیا جائے گا۔ اس کی تائید حضور ﷺ کے اس قول مبارک سے ہوتی ہے، آپ نے فرمایا:
''جو مسلمان کسی مسلمان کو برہنگی کی حالت میں کپڑا پہنائے گا اللہ تعالیٰ اسے جنت کے سبز کپڑے پہنائیں گے اور جو مسلمان کسی مسلمان کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلائے گا اللہ تعالیٰ اسے جنت کے پھل عطا کریں گے اور جو مسلم کسی مسلمان کو پیاس کی حالت میں پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ اسے رحیق مختوم یعنی مہر زدہ شراب پلائیں گے''۔[1]

(۳) اخلاص اجر کو بڑھاتا ہے

بعض علماء نے کتے کو پانی پلانے والے شخص کی حالت اور اس کے سنسان جگہ میں ہونے سے استدلال کیا ہے کہ اخلاص میں اجر کو بڑھانے کا عنصر ہے، اس کے ساتھ یہ کہ اس آدمی نے کتے کو خوب سیر کر کے پانی پلایا تھا اس سے معلوم ہوا کہ پورا اجر پورے عمل پر ملتا ہے۔

(۴) آخرت کو دنیا پر ترجیح دینا

اس قصہ سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ آخرت کے باقی رہنے والے اجر کو دنیا کی فانی چیزوں پر ترجیح دینی چاہئے اگرچہ اس سے دنیاوی چیزوں کی خرابی ہی

[1] رواہ ابوداؤد المنذری فی الترغیب و الترھیب و الترمذی و احمد

کیوں نہ لازم آئے، وہ اس طرح کہ اس شخص نے اپنے موزے میں پانی بھرا حالانکہ عموماً پانی موزے کو خراب کر دیتا ہے۔

(۵) نیکی کو معمولی نہ سمجھیں:

اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی نیکی کو معمولی نہ سمجھنا چاہئے خواہ وہ بظاہر معمولی ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اس شخص نے بھی کتے کو پانی ہی پلایا تھا حالانکہ یہ ایک معمولی سا عمل ہے اور اس عمل پر اس شخص کو مغفرت حاصل ہوگئی۔ ایک حدیث میں آتا ہے، ''کسی معمولی سی نیکی کو بھی ہرگز حقیر نہ سمجھو اگرچہ اپنے بھائی کے ساتھ خوشگوار چہرہ سے ملنا ہی کیوں نہ ہو''۔[1]

(۶) سنسان علاقوں میں کنواں کھودنے کا جواز و اہمیت

اس قصہ سے سنسان جگہوں (صحرا و جنگلات) میں کنویں کھودنے کا جواز معلوم ہوتا ہے تاکہ پیاسے وہاں سے سیرابی حاصل کرسکیں اور اپنی پیاس بجھا سکیں۔ محض نقصان کے اندیشہ کی بنا پر اس عمل سے نہ روکا جائے گا کیونکہ یہ نادر اور نایاب ہے بخلاف منفعت و فوائد کے، کیونکہ اس کے فائدے یقینی ہیں لہٰذا جانب منفعت کو غلبہ دیا جائے گا۔

میری رائے یہ ہے کہ اس قسم کے عمدہ عمل پر ابھارنے اور ترغیب دینے میں کوئی خرابی نہیں اگر ثواب کی امید رکھنے والا حفاظت کے تمام وسائل کو بروئے کار لائے، مثلاً کنویں کے گرد پتھروں یا مٹی کی فصیل (آڑ) بنا ڈالے، اس طرح منفعت موکد ہو جائے گی اور نقصان کا خاتمہ ہو جائے گا، اسی وجہ سے امام بخاریؒ نے اس قصہ کا جو عنوان باندھا ہے وہ یہ ہے ''راستوں میں کنویں کھودنے کا بیان اگر وہ نقصان دہ نہ ہوں''۔

---

[1] رواه مسلم و ابوداؤد و الترمذی و احمد

(۲) صدقہ وسخاوت کا اہتمام

نیک آدمی کے باغ کو سیراب کرنے والے بادل کا قصہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا،
''ایک مرتبہ ایک آدمی کسی جنگل سے گزر رہا تھا کہ اس نے ایک بادل میں سے یہ آواز سنی،
''فلاں شخص کے باغ کو سیراب کرو'' بادل اس طرف چل پڑا اور ایک سیاہ پتھروں والی زمین میں جا کر برسا، ایک نالی نے سارے پانی کو سمیٹا، وہ آدمی پانی کے پیچھے چلتا رہا یہاں تک کہ اس نے دیکھا کہ ایک آدمی اپنے کدال کے ذریعہ اپنے باغ میں پانی تقسیم کر رہا ہے۔

اس شخص نے پوچھا، ''اے اللہ کے بندہ تیرا نام کیا ہے؟'' باغ والے نے جواب میں وہی نام ذکر کیا جو اسے بادل میں سنائی دیا تھا۔ پھر اس باغ والے نے کہا، ''اے اللہ کے بندہ تو مجھ سے میرا نام کیوں پوچھتا ہے؟'' اس نے جواب دیا ''میں نے اس بادل میں سے جس کا یہ پانی ہے، آواز سنی تھی کہ فلاں کے باغ کو پانی لگاؤ وہ تیرا نام تھا، تو اس میں کیا کرتا ہے؟'' باغ والے نے جواب دیا: ''میں اس زمین کی پیداوار کو دیکھتا ہوں اس میں ایک تہائی صدقہ کرتا ہوں، ایک تہائی میں اور میرے گھر والے استعمال کرتے ہیں اور ایک تہائی اسی میں لگا دیتا ہوں'' [۱]

فوائد

(۱) صدقہ برکت کا سبب ہے:

قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ میں صدقہ کی ترغیب اور اس کا اہتمام کرنے کا حکم ملتا ہے۔ ان آیات واحادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ صدقہ کرنے

[۱] رواہ مسلم و احمد

سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس مال میں برکت ڈال دی جاتی ہے اور صدقہ رحمت و برکت کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی معنیٰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿"وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ"﴾ (سورۃ سبا: ۳۹)

"اور تم جو چیز خرچ کرو گے وہ اس کا تمہیں عوض دے گا وہ تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔"

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ہر صبح کو دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں، ان میں سے ایک کہتا ہے، "اے اللہ خرچ کرنے والے کو مال عطا فرما" اور دوسرا کہتا ہے، "اے اللہ مال روکنے والے کو نقصان عطا کر"۔[۱]

ایک اور حدیث میں صراحت کے ساتھ یہ مضمون آیا ہے کہ "صدقہ مال کو کم نہیں کرتا"۔[۲]

اس موقع پر ایک سوال اٹھتا ہے کہ صدقہ نام ہے اپنے مال کو خرچ کرنے کا، اس سے مادی اور ظاہری طور پر مال میں کمی کا واقع ہونا ایک حسی چیز ہے، اس کمی اور حضور ﷺ کے قول "صدقہ مال کو کم نہیں کرتا" میں کیسے موافقت کی جائے گی؟

اس سلسلہ میں علماء کی رائے یہ ہے کہ صدقہ کے سبب سے حاصل ہونے والی کمی دو طریقہ سے پوری ہوتی ہے:

(۱) مال میں برکت کا حصول اور نقصان دہ امور سے حفاظت، لہٰذا یہ ظاہری کمی پوشیدہ برکت سے پوری ہو جاتی ہے۔

(۲) صدقہ کی صورت میں آخرت میں ملنے والا اجر، یہ اجر اس صدقہ سے کئی گنا

۱۔ رواہ البخاری و مسلم و احمد

۲۔ رواہ مسلم و الترمذی و مالک و الدارمی۔

زیادہ ہونے کی بنا پر مال کی کمی کو پورا کر دیتا ہے۔

میری رائے کے مطابق پہلی توجیہ آیت واحادیث کے زیادہ موافق ہونے کی بنا پر اصح ہے، اس کی ترجیح کی دوسری وجہ یہ ہے کہ دوسرا معنی ضمناً اس میں داخل ہے وہ اس طرح کہ دنیا میں اس کے مال میں اضافہ کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی اس کو ثواب دیا جائے گا۔

پہلی رائے کی تائید حدیث قدسی میں مذکور اللہ تعالیٰ شانہ کے اس مبارک ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ "اے ابن آدم اگر تو خرچ کرے گا تو میں تجھ پر خرچ کروں گا"۔[1]

اس قصہ کی تیسری تائید یہ ہے کہ ہم جس قصہ کے دروس وفوائد کو بیان کر رہے ہیں اس میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے رزق میں اسباب برکت کو ودیعت فرما دیا اس طرح کہ اس نیک آدمی کی زمین کی طرف ایک بادل کو بھیج دیا جو اس کی زمین میں بارش برسائے، اس بارش کی وجہ سے زمین میں زندگی پیدا ہوئی، کھیتی میں اضافہ ہو گیا اور آدمی کو اس کے صدقہ شدہ مال سے کئی گنا زیادہ عطا کیا گیا۔ یہ قصہ صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ صدقہ مال کی حفاظت کرتا ہے اور اس کو بڑھاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بخل مال کی برکت کو ختم کر دیتا ہے اور اسے ضائع کر دیتا ہے، ایک حدیث میں آتا ہے، "جو نہی لوگ اپنے اموال کی زکوٰۃ کو روکیں گے ان سے بارش کو روک دیا جائے گا۔ اگر جانور نہ ہوں تو ان پر بارش نہ ہو"۔[2]

بارش کے بند ہونے سے پانی ختم ہو جاتا ہے اور پانی کے ختم ہونے سے زندگی ختم ہو جاتی ہے اور اس کی خیر کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اس معنی کی ایک عملی مثال سورۃ قلم میں مذکور "اصحاب جنت" کے قصہ میں بھی ملتی ہے کہ ان کے فقراء کو محروم کرنے کے ارادہ پر اتفاق کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے باغ کو نیست ونابود کر دیا۔

---

[1] رواہ البخاری و مسلم و ابن ماجہ و احمد

[2] رواہ ابن ماجہ

(۲) اہل وعیال پر خرچ کرنے کی فضیلت

اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص اپنی زمینی پیداوار کو بوائی کے علاوہ دو جگہوں میں خرچ کرتا تھا ایک تو تہائی مال کو صدقہ کر دیتا تھا اور دوسرا یہ کہ وہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا تھا۔

اس عمل کو حضور ﷺ مقام مدح میں لائے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے سے انسان کو ثواب ملتا ہے۔

اس بات کی تائید حضرت ثوبانؓ کی ایک صحیح حدیث سے ہی ہوتی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''آدمی کے خرچ کردہ دیناروں میں سے سب سے افضل دینار وہ ہے جسے آدمی اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے اور وہ دینار جسے اللہ کے راستہ میں اپنی سواری پر خرچ کرے اور وہ دینار جسے اللہ کے راستہ میں اپنے ساتھیوں پر خرچ کرے''۔

ابو قلابہ فرماتے ہیں: ''حضور ﷺ نے عیال سے شروع فرمایا، لہٰذا اس شخص سے زیادہ اجر والا کون ہوسکتا ہے جو اپنے نابالغ عیال پر خرچ کرے انہیں سوال کرنے سے بچائے رکھے اور فائدہ پہنچائے''۔[۱]

احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل وعیال پر خرچ کرنا نفلی صدقہ کرنے سے افضل ہے، ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے فرمایا: ''ایک دینار وہ ہے جسے تو اللہ کے راستہ میں خرچ کرے، ایک دینار وہ ہے جسے تو غلام کی آزادی میں خرچ کرے، ایک دینار وہ ہے جسے تو مسکین پر صدقہ کردے اور ایک دینار وہ ہے جسے تو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے، سب سے زیادہ اجر والا دینار وہ ہے جسے تو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے''۔[۲]

۱۔ اخرجہ مسلم و الترمذی و ابن ماجہ و احمد

۲۔ رواہ مسلم و احمد

اسی وجہ سے حضور ﷺ کے مبارک ارشادات سے یہ راہ نمائی ملتی ہے کہ انسان خرچ کرنے میں اپنے اہل وعیال کو دوسروں پر مقدم رکھے، ایک حدیث میں آتا ہے، ''اپنے نفس سے شروع کر اور اس پر صدقہ کر، اگر کچھ بچ جائے تو تیرے اہل وعیال کے لئے ہے اور اگر تیرے اہل سے بھی بچ جائے تو قریبی رشتہ داروں کے لئے ہے اور اگر قریبی رشتہ داروں سے بچ جائے تو سامنے والوں کے لئے اور دائیں طرف والوں کے لئے اور بائیں طرف والوں کے لئے''۔[1]

(۳) ہاتھ کی کمائی کا اجر ثواب:

اس حدیث سے اپنے ہاتھ کی کمائی کی فضیلت بھی معلوم ہوتی ہے کیونکہ وہ آدمی اپنے باغ میں اپنے ہاتھ سے محنت وکام کاج کرتا تھا۔ ایک حدیث میں آتا ہے، کوئی شخص اس سے بہتر کھانا نہیں کھا سکتا کہ وہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھائے اور بیشک اللہ تعالیٰ کے نبی داود علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت سے کھایا کرتے تھے''۔[2]

اپنے ہاتھ کی محنت سے کمانا دوسرے اسباب معیشت سے چند وجوہات کی بناپر افضل ہے:

(۱) اس میں کمانے والے کو بھی نفع دیتا ہے اور دوسروں کو بھی۔

(۲) سوال کرنے اور مانگنے کی ذلت سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔

(۳) بیکار پڑے رہنے سے چھٹکارا مل جاتا ہے کیونکہ بیکار پڑا رہنا فراغت اور فضولیات میں ڈال دیتا ہے جس سے انسان کی زندگی ضائع ہو جاتی ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی ودیعت کردہ نعمتوں سے فائدہ اٹھانا ممکن ہو جاتا ہے، اگر محنت نہ کی جائے تو نعمت الٰہیہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔

۱۔ اخرجہ مسلم و النسائی

۲۔ رواہ البخاری

ان مذکورہ فوائد میں جیسے عام لوگوں کا فائدہ ہے اس طرح دعوت و تبلیغ و اشاعت دین کا کام کرنے والوں کے لئے بھی اس میں راہ نمائی ہے جو انہی کے ساتھ خاص ہے وہ یہ کہ جس کلمہ حق کی وہ تبلیغ کر رہے ہیں اس وقت تک نافع نہیں ہو سکتا جب تک لوگوں سے استغنا، حاصل نہ کر لیا جائے۔ یہ استغنا، خود محنت کر کے کمانے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

مذکورہ قول کی تائید امام حسن بصریؒ کے حالات زندگی سے ہوتی ہے کیونکہ ان کے زمانہ میں ان کے متبعین کی تعداد سب سے زیادہ تھی جب اس کثرت تعداد کا راز معلوم کرنے کا سوال کیا گیا تو لوگوں نے کہا، ''لوگ ان کے علم کے محتاج ہیں جبکہ وہ لوگوں کے مال کے محتاج نہیں''۔

(۴) صدقہ میں فیصد مقرر کرنے کا فائدہ

آدمی کا اپنے پھلوں کے ایک تہائی کو صدقہ کرنے کو لازم کر لینا اس بات کی دلیل ہے کہ صدقہ سے محروم نہ ہونے اور اس پر دوام اختیار کرنے کی سب سے اعلیٰ اور نافع صورت یہ ہے کہ انسان اپنے مال کی فیصد کو صدقہ کرنے کے لئے وقف کر دے۔

اس طرز عمل سے شیطان کی ناک گرد آلود ہو جاتی ہے کیونکہ وہ لوگوں کو انجام سے ڈرا کر صدقہ کرنے سے روک دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۶۸)

''(اور دیکھنا) شیطان (کا کہنا نہ ماننا وہ) تمہیں تنگدستی کا خوف دلاتا اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور خدا تم سے اپنی رحمت اور بخشش کا وعدہ کرتا ہے اور خدا بڑی کشائش والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔''

(۵) فرشتوں کے یہاں نیک لوگوں کا تذکرہ

آدمی کا بادل میں سے باغ والے نیک آدمی کے نام کو سننا اس بات کی دلیل ہے کہ نیک اور متقی لوگ ملاء اعلیٰ یعنی فرشتوں کے نزدیک اپنے ناموں کے ساتھ متعارف ہوتے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو اپنے نیک بندوں میں مصروف فرما دیتے ہیں وہ فرشتے نیک بندوں کے امور کا اہتمام کرتے ہیں اور ان کے لئے اللہ سے دعا کرتے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿الَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾

(سورۃ غافر ۷)

''جو عرش کو اٹھاتے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد اگرد (حلقہ باندھے ہوئے) ہیں (یعنی فرشتے) وہ اپنے پروردگار کی تعریف کیساتھ تسبیح کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کیلئے بخشش مانگتے رہتے ہیں۔''

(۶) متقی لوگوں کا غیبی رزق

اس قصہ میں متقی لوگوں کو بغیر وہم وگمان کے رزق کے حصول کی حقیقی تعبیر کی گئی ہے اور یہ قصہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کا مصداق ہے جس کی مخالفت نہیں ہوسکتی:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (سورۃ الطلاق: ۲،۳)

''اور جو کوئی خدا سے ڈرے گا وہ اس کے لئے (رنج وغم) سے مخلصی کی صورت پیدا کرے گا۔ اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم) وگمان بھی نہ ہو۔''

(۷) ﴿اللہ کے لئے محبت کرنا﴾

اللہ کے لئے مسلمان بھائی کی زیارت کرنے والے کا قصہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص کسی دوسرے شہر میں اپنے بھائی سے ملاقات کرنے کے لئے روانہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے راستہ میں اس کے انتظار میں ایک فرشتہ بٹھا دیا۔ جب وہ شخص فرشتہ کے پاس پہنچا تو فرشتہ نے کہا ''تم کہاں جا رہے ہو''؟ اس شخص نے جواب دیا کہ میں اس بستی میں اپنے ایک بھائی سے ملنے جا رہا ہوں'' فرشتہ نے پوچھا ''کیا اس کا تجھ پر کوئی احسان ہے جس کی تو پاسداری کر رہا ہے''؟ اس شخص نے جواب دیا نہیں، سوائے اس کے کہ میں اس سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہوں'' فرشتہ نے کہا (اگر یہ بات ہے تو سن لے کہ) میں تیرے پاس اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام لے کر آیا ہوں کہ جیسے تو اس شخص سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے محبت کرتا ہے''۔[۱]

﴿فوائد﴾

(۱) اللہ کی خاطر محبت کرنے کی ترغیب وفضیلت

ماہرین نفسیات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسان طبعاً مل جل کر رہنا چاہتا ہے یعنی اس کی فطرت میں دوسرے لوگوں کے ساتھ محبت و مانوسیت کا مادہ پایا جاتا ہے۔

ہر انسان اپنی طبیعت کے تقسم کی بنیاد پر لوگوں سے میل جول رکھتا ہے اور ان کے قریب ہوتا ہے۔ ان سے محبت والفت کا متمنی ہوتا ہے نیز یہ کہ چند اسباب اس تعلق کو مضبوط اور بعض اسے کمزور کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ قصہ دوسرے لوگوں سے محبت کرنے کے ایک ذریعہ سے روشناس کراتا ہے اور اس محبت کو ایک ایسے سبب کے ساتھ

---

[۱] رواہ مسلم و احمد

مربوط کرتا ہے جس میں کوئی رکاوٹ وانقطاع نہیں یعنی اللہ کے لئے محبت کرنا۔ مذکورہ قصہ اس بات کی تاکید بھی کرتا ہے کہ یہ محبت آنِ واحد کے اندر بندہ کے لئے اللہ کی محبت کے حصول کا ذریعہ بھی جاتی ہے، اس محبت کا اللہ کی محبت کے حصول کا ذریعہ ہونا فرشتہ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے جب فرشتہ نے اس آدمی سے پوچھا کہ ''کیا اس شخص نے تجھ پر کوئی احسان کیا ہے جس کی تو پاسداری کرنا چاہتا ہے؟'' تو اس شخص نے جواب دیا، ''نہیں، سوائے اس کے کہ میں اس سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہوں''۔

بہت سے دلائل اللہ کے لئے محبت کرنے کی صفت خاصہ کی اہمیت اور تمام خصائل ایمان میں سے اس کی بلندی واہمیت پر راہنمائی کرتے ہیں۔

حضرت سہل بن معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ ''جس نے اللہ کے لئے عطا کیا، اللہ کے لئے منع کیا، اللہ کے لئے محبت کی، اللہ کے لئے دشمنی رکھی اور اللہ کے لئے نکاح کیا اس نے ایمان کو کامل کرلیا''۔ [۱]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، ''خدا کی قسم اگر میں دن کو روزہ رکھوں اور افطار نہ کروں، رات کو نماز پڑھوں اور نیند نہ کروں، اپنے مال کو دل کھول کر اللہ کے راستہ میں خرچ کروں لیکن کسی دن اس حال میں مر جاؤں کہ میرے دل میں اللہ کی اطاعت کرنے والوں کی محبت اور اللہ کی نافرمانی کرنے والوں کی نفرت نہ ہو تو یہ اعمال مجھے کچھ فائدہ نہیں دے سکتے''۔

جب انسان اس ذمہ داری کو انجام دیتا ہے اور اپنے اور دوسرے لوگوں کے درمیان خالص محبت کی روح کو فروغ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اسے ڈھانپ لیتی ہیں اور اس کے انعامات واحسانات کا فیضان اس پر برسنے لگتا ہے، یہ بات مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر ثابت ہوئی ہے:

(۱) اللہ کے لئے محبت کرنے والے قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سائے

---

[۱] اخرجہ الترمذی و ابوداؤد و احمد

کے نیچے ہوں گے، جیسا کہ حبیب و مصطفیٰ ﷺ نے اس کے متعلق ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا، میری خاطر محبت کرنے والے کہاں ہیں؟ آج میں انہیں اپنے سائے میں جگہ دوں گا جبکہ آج میرے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہے''۔[1]

(ب) اللہ کی خاطر محبت کرنے والے اللہ کی محبت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں، جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: ''میری خاطر محبت کرنے والوں کے لئے، میری خاطر باہم مل بیٹھنے والوں کے لئے، میری خاطر ایک دوسرے کی زیارت کرنے والوں کے لئے اور میری خاطر ایک دوسرے پر خرچ کرنے والوں کے لئے میری محبت واجب ہے''۔[2]

(ج) اللہ تعالیٰ اپنی خاطر محبت کرنے والوں کی آنکھوں کو ان میں سے ایک دوسرے کے ذریعہ ٹھنڈا کرتا ہے جس کے نتیجہ میں انہیں باہم جمع کرتا ہے اور کمزور کو طاقتور کے ذریعہ قوت عطا کرتا ہے۔

ابو حامد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ کی خاطر بھائی چارہ قائم کرنے والوں میں سے ایک اگر اعلیٰ مقام جنت پر فائز ہو گیا تو اللہ تعالیٰ دوسرے کو بھی اس کے ساتھ ملا دیں گے جیسا کہ اولاد کو والدین کے ساتھ اور اہل کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو بھائی چارہ اللہ کی خاطر قائم ہوتا ہے وہ نسب کے بھائی چارہ سے برتر ہوتا ہے''۔

اس قول کی تائید حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکورہ ارشاد نبوی ﷺ سے بھی ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ ایک آدمی نے حضور ﷺ سے قیامت کے بارے میں سوال کیا کہ وہ کب قائم ہوگی؟ آپ نے فرمایا: ''تو نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے عرض کیا، ''میرے پاس کچھ نہیں سوائے اس کے کہ میں اللہ اور اس کے

---

[1] رواہ مسلم و مالک والدارمی و احمد

[2] رواہ مالک و احمد و کذا فی الترغیب و الترهیب

رسول سے محبت کرتا ہوں"۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "تو اس کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہوگی"۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم کسی چیز سے اتنا خوش نہ ہوئے جتنا ہم حضور ﷺ کے اس قول سے خوش ہوئے کہ تو اس کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہوگی۔

حضرت انسؓ یہ بھی فرماتے ہیں: "میں نبی کریم ﷺ اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہم سے محبت کرتا ہوں اور اس محبت کی وجہ سے مجھے امید ہے کہ میں ان کے ساتھ ہوں گا اگرچہ میں ان جیسے اعمال نہ بھی کروں"۔[1]

(۴) اللہ کی خاطر ملاقات کرنے کی فضیلت

اللہ کی خاطر محبت کرنا ایک ایسا مقصد و غایت ہے جس کی اسلام میں امتیازی شان ہے، لہٰذا ایسے اسباب کا ہونا بھی ضروری ہے جو محبت کے قیام کے بعد اس کی حفاظت کی ذمہ داری انجام دے سکیں۔

اس قصہ میں محبت کی حفاظت کے ایک سبب کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے اور وہ سبب باہمی ملاقات و زیارت ہے۔

محبت اگرچہ بذات خود ایک حامل فضیلت عمل ہے لیکن اس کے وسائل و اسباب بھی فضیلت سے خالی نہیں۔ محبت کا ایک وسیلہ "زیارت و ملاقات" ہے جس کی فضیلت بہت سی احادیث سے معلوم ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور انور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں: "جس شخص نے کسی مریض کی عیادت کی یا اللہ کی خاطر کسی بھائی سے ملاقات کی تو ایک اعلان کرنے والا اعلان کرتا ہے "تو پاک ہے تیرا راستہ بھی پاک ہے اور تو نے جنت میں ٹھکانہ حاصل کرلیا"۔[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب بھی کوئی مسلمان بندہ اللہ کی خاطر کسی مسلمان بھائی سے ملاقات کرتا ہے تو آسمان سے

---

[1] رواہ البخاری و مسلم و الترمذی و احمد

[2] اخرجہ الترمذی و احمد

ایک فرشتہ اعلان کرتا ہے کہ ''تو پاک ہوا اور جنت تیرے لئے حلال ہوئی'' اور اللہ تعالیٰ بھی اپنے عرش سے ارشاد فرماتے ہیں ''میرے بندہ نے مجھ سے ملاقات کی اور اس کی مہمان نوازی بھی میرے ذمہ ہے'' پھر اللہ تعالیٰ اس شخص کے لئے جنت سے کم بدلہ پر راضی نہیں ہوتے''۔[۱]

(۳) انسان فرشتہ کو دیکھ سکتا ہے

اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان فرشتوں کو دیکھ سکتے ہیں لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ فرشتہ کو انسانی ہیئت وصورت میں ہی دیکھا جاسکتا ہے۔

اس بات کی تائید بعض احادیث سے ہوتی ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور ﷺ کی خدمت میں حضرت دحیہ کلبیؓ کی صورت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔

فرشتوں کے انسانی صورت میں آنے کی دو وجوہات ہیں:

ا۔ فرشتہ کا حقیقی صورت میں آنا انسانوں کی ہلاکت کا سبب بن سکتا ہے کیونکہ انسان اس کی صورت کو برداشت نہیں کرسکتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ﴾

(سورۃ الانعام:۸)

''اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو کام ہی فیصل ہو جاتا پھر انہیں (مطلق) مہلت نہ دی جاتی۔''

اور اس لئے بھی کہ فرشتوں کا اپنی اصلی صورت میں آنا عذاب سے ڈرانے کے لئے ہوتا ہے، حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

﴿يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ

---

[۱] فی مجمع الزوائد والترغیب والترھیب

وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا﴾ (سورة الفرقان: ۲۲)

''جس دن یہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن گنہگاروں کیلئے کوئی خوشی کی بات نہیں ہوگی اور کہیں گے (خدا کرے تم) روک لئے (اور) بند کر دیئے جاؤ۔''

(ب) فرشتہ کا انسانی صورت میں آنا اس لئے بھی ضروری ہے تاکہ انسان کے لئے اس سے گفت وشنید کرنا ممکن ہو سکے اس لئے کہ طبیعت نورانیہ کا طبیعت طینیہ سے اختلاف فوائد کو ضائع کر دے گا اور اتصال وتعلق کے وسائل کو ختم کر دے گا، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا﴾ (سورة الانعام: ۹)

''نیز اگر ہم کسی فرشتے کو بھیجتے تو اسے مرد کی صورت میں بھیجتے۔''

چند متفرق فوائد

(۴) اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے خوشخبری لے کر انبیاء کے علاوہ دوسرے لوگوں کے پاس بھی آسکتے ہیں۔

(۵) اس قصہ سے معلوم ہوا کہ ایمان کی اصطلاح میں اخوت و بھائی چارہ سے مراد وہ رشتہ اخوت ہے جو ایمان اور اللہ تعالیٰ کی بنیاد پر قائم ہو۔ یہ اخوت نسب کے رشتہ سے زیادہ قوی ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ شانہ کا فرمان ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ﴾ (سورة المجادلہ: ۲۲)

''جو لوگ خدا پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو خدا اور اس کے رسولوں سے دشمنی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں۔''

(۲) اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو عمل پر اجر وثواب اس وقت عطا کیا جاتا ہے جب عمل سے مقصود اللہ کی رضا ہو۔ اگر اس کا عمل کسی دنیاوی غرض سے وابستہ ہوگا تو فانی غرض کے فنا سے عمل بھی فنا ہو جائے گا۔

(۸) دعوتِ حق اور اس میں قربانیوں کا سامنا

اصحابِ اُخدود کا قصہ

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''پہلے زمانہ میں کسی بادشاہ کے پاس ایک جادوگر ہوا کرتا تھا، جب وہ جادوگر بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا: ''میں تو بوڑھا ہو گیا لہٰذا میرے پاس کسی لڑکے کو بھیج جسے میں جادو سکھا دوں''۔ پس بادشاہ نے اس کے پاس ایک لڑکے کو بھیجا جسے وہ جادو سکھایا کرتا تھا۔ اس لڑکے کے راستہ میں راہب آتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ لڑکا اس راہب کے پاس بیٹھا اور اس کی گفتگو کو سنا تو اسے اس کا کلام بڑا عمدہ معلوم ہوا، پھر جب بھی وہ جادوگر کے پاس آتا تو راہب کے پاس ضرور بیٹھتا پھر جب (تاخیر سے) وہ جادوگر کے پاس آتا تو وہ اس کی پٹائی کرتا۔ اس لڑکے نے راہب سے اس کی شکایت کی تو اس نے کہا ''جب تجھے جادوگر کا ڈر ہو تو اسے کہنا کہ مجھے گھر والوں نے روک لیا تھا اور جب تجھے گھر والوں کا خوف ہو تو کہنا کہ مجھے جادوگر نے روک لیا تھا''۔

یوں ہی سلسلہ چلتا رہا کہ ایک مرتبہ اس نے ایک درندہ کو دیکھا (ایک روایت میں ''شیر'' کا ذکر ہے) جس نے لوگوں کو روک رکھا تھا، اس لڑکے نے سوچا کہ آج مجھے معلوم ہو جائے گا کہ جادوگر افضل ہے یا راہب۔ چنانچہ اس نے ایک پتھر پکڑا اور کہا، ''اے اللہ اگر راہب کا معاملہ تیرے نزدیک جادوگر کے معاملہ سے زیادہ پسندیدہ ہے تو اس جانور کو قتل کر دے تاکہ لوگ چل پڑیں''۔ اس نے جانور کو پتھر مارا اور اسے مار دیا اور لوگ چل پڑے۔ پھر وہ لڑکا راہب کے پاس آیا اور اسے سارا واقعہ سنایا تو راہب نے کہا:

''اے بیٹے! آج کے دن تو مجھ سے افضل ہے، تیرا معاملہ بہت عالیشان ہو چکا ہے اور عنقریب تجھے آزمایا جائے گا، جب تو مصیبت میں پھنس جائے تو میرا تذکرہ نہ کرنا''۔ وہ لڑکا اندھے اور کوڑھی افراد کو تندرست کیا کرتا تھا اور لوگوں کا ہر قسم کا علاج کیا کرتا تھا۔

بادشاہ کے ایک اندھے ہم نشین نے اس کے متعلق سنا اور اس کے پاس بہت سے تحائف لے کر آیا اور اسے کہا، ''اگر آپ مجھے شفا دے دیں تو یہ سارے تحائف آپ کے لئے ہیں''۔ اس لڑکے نے جواب دیا کہ ''میں کسی کو شفا نہیں دیتا بلکہ درحقیقت شفا دینے والی ذات تو اللہ کی ہے۔ اگر تو اللہ پر ایمان لے آئے پھر اس سے دعا کرے تو وہ تجھے شفایاب کر دے گا''۔ وہ شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دے دی۔ وہ آدمی بادشاہ کے پاس واپس آیا اور پہلے کی طرح اس کے پاس بیٹھ گیا، بادشاہ نے اس سے پوچھا، ''تیری بینائی کس نے لوٹائی ہے؟'' اس نے جواب دیا، ''میرے رب نے، بادشاہ چونک اٹھا اور کہا، ''میرے علاوہ بھی تیرا کوئی رب ہے؟'' اس شخص نے جواب دیا، ''میرا اور تیرا رب اللہ ہے'' بادشاہ نے اس کو پکڑا اور اس کو سخت سزا دیتا رہا یہاں تک کہ اس نے لڑکے کے متعلق بتا دیا۔

لڑکے کو لایا گیا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا، ''اے لڑکے! کیا تیرا جادو اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ تو پیدائشی اندھوں اور کوڑھی افراد کو تندرست کرتا ہے اور فلاں فلاں کام کرتا ہے؟'' اس لڑکے نے کہا، ''میں کسی کو شفا نہیں دیتا بلکہ شفا دینے والا تو اللہ ہے''۔ بادشاہ اس لڑکے کو سخت سزا دیتا رہا یہاں تک کہ اس نے راہب کا پتہ بتا دیا۔

راہب کو لایا گیا اور اسے کہا گیا کہ اپنے دین سے رجوع کر لے، لیکن اس نے انکار کر دیا جس کے نتیجہ میں بادشاہ نے ایک آرا منگوایا اور اس کے سر کے درمیان میں رکھ کر اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ پھر بادشاہ کے ہم نشین کو لایا گیا اور اسے کہا گیا کہ اپنے دین سے رجوع کر لے لیکن اس نے انکار کر دیا لہٰذا اس کے سر کے بیچ میں آرا لایا گیا اور اس کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

پھر لڑکے کو لایا گیا اور اس سے بھی دین کو چھوڑنے کا مطالبہ کیا گیا، اس نے

انکار کیا تو بادشاہ نے اسے اپنے کچھ آدمیوں کے حوالے کر دیا اور کہا کہ "اسے فلاں پہاڑ پر لے جاؤ۔ اسے لے کر پہاڑ پر چڑھ جاؤ اور جب تم پہاڑ کی چوٹی پر پہنچو تو دیکھو کہ اگر یہ اپنے دین سے رجوع کر لے تو ٹھیک ورنہ اسے دھکا دے دو"۔ بادشاہ کے آدمی اس کو لے کر چلے اور پہاڑ پر چڑھ گئے۔ لڑکے نے کہا: "اے اللہ تو جس چیز سے چاہے مجھے ان سے بے نیاز کر دے"۔ پہاڑ کو زلزلہ آیا اور وہ سب گر گئے۔ وہ لڑکا چلتا ہوا بادشاہ کے پاس آیا تو بادشاہ نے اس سے کہا: "تیرے ساتھ موجود افراد کا کیا بنا؟" لڑکے نے کہا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے بے نیاز کر دیا ہے"۔

بادشاہ نے پھر اسے اپنے کچھ آدمیوں کے حوالے کیا اور انہیں حکم دیا کہ اسے بڑی اور شاندار کشتی میں بٹھا کر سمندر کے درمیان میں لے جاؤ، پس اگر یہ اپنے دین کو چھوڑ دے تو ٹھیک ورنہ اسے سمندر میں دھکا دے دو"۔ وہ آدمی اس کو لے کر چل پڑے، لڑکے نے دعا کی کہ "اے اللہ تو جس چیز سے چاہے مجھے ان سے بے نیاز کر دے" لہٰذا کشتی نے ان کو پلٹ دیا اور وہ سب کے سب غرق ہو گئے۔ وہ لڑکا چلتا ہوا بادشاہ کے پاس آیا تو بادشاہ نے اس سے پوچھا: "تیرے ساتھ موجود افراد کا کیا بنا؟" لڑکے نے کہا "اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے بے نیاز کر دیا ہے"۔

پھر اس لڑکے نے بادشاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "تو مجھے اس وقت تک نہیں مار سکتا جب تک تو وہ کام نہ کرے جس کا میں تجھے حکم دیتا ہوں" بادشاہ نے کہا "وہ کیا ہے؟" لڑکے نے کہا: "تو لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر اور مجھے کھجور کے شہتیر پر سولی چڑھا، پھر میری ترکش سے ایک تیر نکال کر اسے کمان کے بیچ میں رکھ اور کہہ کہ "اس اللہ کے نام سے جو لڑکے کا رب ہے" پھر مجھے تیر مار، اگر تو ایسا کرے گا تو مجھے مار دے گا"۔

بادشاہ نے لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا اور اسے ایک شہتیر پر سولی چڑھایا پھر تیر کو کمان کے بیچ میں رکھا اور کہا "اس اللہ کے نام سے جو لڑکے کا رب ہے" پھر تیر مارا وہ تیر اس کی کنپٹی پر لگا لہٰذا اس نے اپنا ہاتھ تیر زدہ جگہ پر کنپٹی پر رکھا اور مر گیا۔

لوگوں نے کہا "ہم لڑکے کے رب پر ایمان لائے، ہم لڑکے کے رب پر ایمان

لائے، ہم لڑکے کے رب پر ایمان لائے"۔

بادشاہ کو بتایا گیا کہ "کیا تو نے اس چیز کو دیکھا ہے جس سے تو ڈرا کرتا تھا؟ خدا کی قسم جس سے تو ڈرا کرتا تھا وہ واقع ہو چکا ہے اور لوگ ایمان لے آئے ہیں۔"

بادشاہ نے چوراہوں میں خندقیں کھودنے کا حکم دیا، خندقیں کھودی گئیں اور ان میں خوب آگ بھڑکائی گئی، بادشاہ نے حکم دیا کہ جو شخص اپنے دین کو نہ چھوڑے اسے اس آگ میں داخل کر دو۔ بادشاہ کے آدمیوں نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ ایک عورت آئی اور اس کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا، عورت اس میں داخل ہونے کی ہمت نہ کر سکی تو اس کے بچے نے کہا، "اے امی جان! صبر کیجئے کیونکہ آپ حق پر ہیں"[1]۔

تشریح

راہب کا لڑکے سے کہنا کہ "آج کے دن تو مجھ سے زیادہ افضل ہے" اس جملہ میں راہب نے صراحت کے ساتھ غلام کو خود سے افضل قرار دیا ہے۔ لڑکے کی موجودگی میں اس قسم کا کلام کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کی موجودگی میں اس کی قابل فخر چیزوں کو ذکر کرنا اور اس کی تعریف کرنا جائز ہے بشرطیکہ جب اس فتنہ کا خوف نہ ہو کہ ایسا کرنے سے ممدوح میں خود پسندی یا ریاکاری پیدا ہو جائے گی۔

یہ کلام حضور ﷺ کے اس قول کے منافی نہیں جو آپ نے اس شخص سے فرمایا تھا جس نے اپنے مسلمان بھائی کی موجودگی میں اس کی خوب تعریف کی تھی، آپ نے اسے فرمایا تھا کہ "تو نے اپنے بھائی کی گردن توڑ دی"[2]۔

اسی طرح آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "جب تم حد سے زیادہ تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے چہروں پر مٹی ڈال دو"[3]۔

---

[1] اخرجہ مسلم و الترمذی و احمد و ابن اسحاق

[2] رواہ البخاری و مسلم و ابوداؤد و ابن ماجہ و احمد

[3] رواہ مسلم و ابوداؤد

ان احادیث کو علماء نے تعریف میں انکل و اندازہ لگانے اور اوصاف میں زیادتی پر محمول کیا ہے یا اس سے اس شخص کی تعریف مراد لی ہے جو تعریف کو سننے کے بعد کسی فتنہ جیسے خود پسندی وغیرہ کا شکار ہو جائے، لیکن جس شخص کو اپنے کمال تقویٰ اور عقل و معرفت کے رسوخ کی بنیاد پر فتنہ میں پڑنے کا خوف نہ ہو اس کی موجودگی میں اس کی تعریف کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس میں اندازہ اور انکل پچو سے کام نہ لیا جائے اور اگر اس تعریف سے کوئی مصلحت حاصل ہو جیسے بھلائی کے کاموں میں نشاط، اضافہ، استقامت اور دوسروں کے لئے اقتداء کا جذبہ پیدا ہوتا ہو تو ایسی تعریف کرنا مستحب ہے۔

اگر انسان اس حالت میں حضور ﷺ کے طرز کی اتباع کرنا چاہے تو وہ یقینی طور پر کسی کی اصلاح و درستگی کا قائل نہیں ہو سکتا بلکہ حضور ﷺ کے ارشاد مبارک کو غالب گمان پر محمول کیا جانا زیادہ بہتر ہے۔ اس کی تائید آپ ﷺ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے:

''تم میں جس شخص کو لامحالہ اپنے بھائی کی تعریف کرنی پڑے تو وہ کہے کہ میں اس کے بارے میں یہ گمان کرتا ہوں، اللہ اس کا حسیب ہے، میں اللہ کے سامنے کسی کو بے قصور قرار نہیں دیتا''۔[1]

راہب کا لڑکے سے کہنا کہ ''عنقریب تجھے آزمایا جائے گا'' اس قول کے بارے میں ابن علانؒ فرماتے ہیں:

''ممکن ہے کہ اس نے یہ بات بطور کشف کے کہی ہو، اس صورت یہ اس کی کرامت ہوگی یا اپنی فراست یا عادت و تجربہ کے بنیاد پر کہی ہوگی کیونکہ جو شخص لوگوں کے طرز عمل کی مخالفت کرتا ہے لوگ اسے آزمائش و تکلیف میں ڈال دیتے ہیں''۔

لیکن میرے نزدیک زیادہ بہتر یہ ہے کہ راہب کی نظر میں فضیلت و آزمائش کا باہمی تعلق موجود ہے کیونکہ وہ مسلمان ہونے کی وجہ سے داعیانِ حق کی تاریخ اور ان کو پہنچنے

[1] رواہ البخاری و مسلم و ابو داؤد و ابن ماجہ و احمد

بلی تکالیف سے واقف تھا، جب اس نے دعوت کی ابتداء میں کرامت کے ذریعہ اس لڑکے کے ساتھ تائید الٰہی کا مشاہدہ کیا تو اسے یقین ہو گیا کہ عنقریب یہ آزمائش میں گرفتار ہوگا، لہٰذا اس نے یہ بات کی تاکہ نفسیاتی طور پر وہ لڑکا اس کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ "غیر معمولی اور خلاف عقل امور اس لڑکے کے ہاتھ پر اسم اعظم کی معرفت کی وجہ سے صادر ہوتے تھے، یہاں تک کہ وہ لڑکا ہر طرف مشہور ہو گیا پھر جس شخص کو بھی کوئی تکلیف ہوتی وہ لڑکے کے پاس آتا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آتا لڑکا اس کے لئے دعا کرتا تو اس کی تکلیف دور ہو جاتی۔

ابن عربی فرماتے ہیں: "یہ اولیاء کی کرامات اور نیک لوگوں کے ہاتھ پر چیلنج کی شرط کے بغیر خلاف عقل امور کے صادر ہونے کی دلیل ہے، اس کا انکار صرف وہی جاہل کرتے ہیں جن کا کوئی اعتبار نہیں، ان کا ثبوت یقینی ہے اور دین کے ارکان میں سے ایک رکن ہے"۔

بادشاہ نے لڑکے کو قتل کرنے کے لئے وہ طرز اختیار نہیں کیا جو راہب اور اپنے ہم نشین کے لئے اختیار کیا تھا، اس کی مختلف وجوہات ہیں:

(۱) بادشاہ کی دلی چاہت و حرص تھی کہ لڑکا مرتد ہو جائے کیونکہ اس کو قتل کرنے سے بادشاہ لوگوں کی نگاہوں برا بن جائے گا اور لوگوں میں انتشار پیدا ہو جائے گا، اس لئے کہ وہ لڑکا اپنے عمدہ اعمال اور نیکیوں کی محبت کی وجہ سے لوگوں کے ہاں مشہور تھا۔

(۲) بادشاہ چاہتا تھا کہ اس داعی کی دعوت کو نقصان پہنچائے اور لوگوں کو دکھا دے کہ لڑکے کی دعوت کی کوئی حقیقت نہ تھی کیونکہ وہ اپنی دعوت سے ارتداد کا راستہ اختیار کر چکا ہے۔

(۳) بادشاہ چاہتا تھا کہ جب تک اس لڑکے کے پاس یہ عجیب قدرت موجود ہے اپنی سلطنت کو مضبوط کرنے کے لئے اس سے فائدہ اٹھاتا رہے۔

بادشاہ کے لڑکے کے ساتھ رویہ اور طرز عمل سے بھی یہی بات آشکارا ہوتی ہے کہ اس نے لڑکے کو سزا دینے میں راہب اور اپنے ہم نشین سے موخر کیا اور اسے ان کے مقام قتل میں حاضر کیا تا کہ انہیں دیکھ کر اس کا جذبہ ماند پڑ جائے اور یہ دل میں اثر قبول کرلے، اسی طرح بادشاہ نے اسے قتل کرنے کے لئے وہ ذریعہ استعمال نہیں کیا جس ذریعہ سے راہب اور ہم نشین کو قتل کیا تھا۔ اس نے ایک ایسا راستہ نکالا جس میں غور وفکر کرنے کا موقع تھا یعنی محل سے پہاڑ تک کی مسافت، پھر پہاڑ پر چڑھنا۔ اس عمل میں بادشاہ کے مقصد کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اس نے اپنے آدمیوں سے کہا تھا کہ اسے پہاڑ پر سے گرانے سے پہلے ایک مرتبہ پھر مرتد ہونے کا حکم دینا۔

اس قصہ سے متعلق ایک علمی سوال نقل کیا جاتا ہے وہ یہ کہ جب بادشاہ کے آدمی لڑکے کو سمندر میں غرق کرنے کے لئے لے گئے تھے تو وہ سب کے سب ایک کشتی میں سوار تھے یا وہ سب الگ کشتی میں تھے اور لڑکا الگ کشتی میں تھا؟

میرے نزدیک پہلی رائے زیادہ صحیح ہے یعنی وہ سب ایک کشتی میں تھے، اس کی دو وجوہات ہیں:

(۱) یہ قصہ کرامات وخلاف عقل امور کے تذکرہ سے بھرپور ہے، اس لئے زیادہ مناسب ہے کہ لڑکے کو اسی کشتی سے نجات ملی ہو جس میں ان کی ہلاکت ہوئی تھی۔

(۲) قصہ کے سیاق سے بھی یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ ان کے ساتھ تھا، کیونکہ قصہ میں مذکور ہے کہ ''کشتی نے ان کو پلٹ دیا اور وہ سب غرق ہوگئے اور وہ لڑکا چلتا ہوا بادشاہ کے پاس آگیا۔''

لڑکے نے بادشاہ سے کہا ''تو مجھے اس وقت تک نہیں مار سکتا جب تک تو وہ عمل نہ کرے جس کا میں تجھے حکم دوں گا''۔ بادشاہ کے لئے یہ ایک نئی بات تھی کہ وہ کسی کے حکم کی پیروی کرے لیکن اس نے لڑکے کی بات ماننے پر رضامندی کا اظہار کیا اور اس کی دعوت کے پھیلنے اور اس کے مددگاروں کے زیادہ ہونے سے پہلے لڑکے کو قتل کردیا۔

اس قصہ میں ہمیں یہ درس بھی ملتا ہے کہ بندوں کی زندگی میں تقدیم و تاخیر کا قطعی فیصلہ کرنے والا ایک اللہ تعالیٰ ہے۔ زمین کی کوئی قوت خواہ کتنی ہی بڑی اور عظیم الشان کیوں نہ ہو اس بات کی طاقت نہیں رکھتی کہ اللہ کے موخر کردہ حکم کو معجل اور تعجیل شدہ حکم کو تاخیر کا شکار کردے۔

اس بات کی تائید حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے منقول ایک حدیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ "میں ایک دن نبی اکرم ﷺ کے پیچھے سوار تھا، آپ نے فرمایا: "اے لڑکے میں تجھے چند کلمات سکھاتا ہوں تو ان کی حفاظت کرے گا تو اللہ تعالیٰ تیری حفاظت فرمائے گا، تو اللہ کی حدود کی حفاظت کر اللہ کو اپنے لئے حامی پائے گا، جب تو سوال کرے تو اللہ سے سوال کر، جب مدد طلب کرے تو اللہ سے مدد طلب کر، اور جان لے کہ اگر ساری کی ساری امت اس بات پر اتفاق کرلے کہ تجھے نفع پہنچائے وہ ہرگز تجھے نفع نہیں پہنچا سکتے مگر اسی بقدر جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے اور اگر ساری امت تجھے نقصان دینے پر اتفاق کرے تو ہرگز تجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی مگر اسی بقدر جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے، قلم اٹھا لئے گئے ہیں اور لکھے ہوئے صحیفے خشک ہو چکے ہیں"۔[1]

امام ترمذیؒ نے اپنی روایت میں اضافہ کیا ہے کہ غلام کو دفن کر دیا گیا، ذکر کیا جاتا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (کسی مجبوری کی وجہ سے) اسے نکالا گیا تو اس کی انگلی اسی طرح اس کی کنپٹی پر تھی جیسے اس نے قتل ہوتے وقت اسے رکھا تھا۔

ابن اسحاقؒ کی روایت میں ہے: "اس کا ہاتھ اس کے سر کے زخم پر تھا اور اس نے اپنے ہاتھ سے اسے پکڑ رکھا تھا۔ جب ہاتھ ہٹایا جاتا تو خون پھوٹ پڑتا تھا اور جب ہاتھ چھوڑ دیا جاتا تو وہ ہاتھ اسی جگہ پر رکھ دیتا اور خون بند ہو جاتا تھا۔"

اس بات میں کوئی تعجب نہیں کیونکہ اس سے ملتے جلتے واقعات صحابہ کرام رضی

---

[1] رواہ الترمذی و احمد

اللہ عنہم کے بارے میں بھی نقل کیے گئے ہیں۔ امام مالکؒ نے عبدالرحمٰن بن ابی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہیں خبر پہنچی کہ عمرو ابن جموح اور عبداللہ بن عمرو انصاریؓ کی قبر کو سیلاب نے کھول دیا، ان دونوں حضرات کی قبر پانی کے بہاؤ کے پاس تھی اور ان دونوں کی قبر ایک ہی تھی۔ یہ دونوں حضرات یوم احد میں شہید کیے گئے تھے، انہیں جگہ تبدیل کرنے کے لئے قبر سے نکالا گیا تو انہیں اس حال میں پایا گیا تھا کہ ان کے مبارک اجسام میں کوئی تغیر یا تبدیلی واقع نہ ہوئی تھی گویا کہ یہ حضرات ایک دن پہلے فوت ہوئے ہیں، ان میں سے ایک زخمی تھے اور اپنا ہاتھ زخم پر رکھا ہوا تھا، انہیں اسی حال میں دفن کیا گیا، ان کا ہاتھ زخم سے ہٹایا گیا پھر چھوڑ دیا گیا تو وہ اسی طرح ہو گیا جیسا تھا، حالانکہ یوم احد اور اس دن کے درمیان جس میں ان کی قبر کھودی گئی چھیالیس سال کا فرق تھا''۔[1]

یہ قصہ اس بات کی دلیل ہے کہ زمین بعض مومنین کے جسموں کو ان کی عزت و شرافت کی وجہ سے نہیں کھاتی۔

یہ قصہ یہاں پر آ کر ختم ہو جاتا ہے اور اس میں ان ظالم لوگوں کو پیش آنے والی سزا اور ان کے دردناک انجام کا تذکرہ نہیں۔

حافظ ابن عربی مالکیؒ فرماتے ہیں:

''بعض تفاسیر میں ہے کہ مومنین نے آگ سے نجات حاصل کر لی تھی اور وہ آگ باہر نکل آئی اور بادشاہ کے آدمیوں کو جلا دیا، لیکن یہ قول صحیح نہیں''۔

لیکن اہل ایمان کے دل ایک باانصاف قصاص کے منتظر ہیں جو ان ظالموں اور ان جیسے دوسرے لوگوں سے لیا جائے گا۔

آخرت میں بدلہ کی تکمیل ہوگی اور حق کو اس کے نصاب میں رکھا جائے گا، یہ اللہ سے ملاقات کا دن ہے یہی اس قصہ کا حقیقی اختتام ہے، جو دنیا میں واقع ہوا وہ تو قصہ کا ایک پہلو تھا مکمل قصہ نہیں تھا۔

---

[1] اخرجه مالک في الموطا

سورۃ البروج جو کہ اصحاب اخدود کے متعلق گفتگو کرتی ہے، اس سورت میں دونوں فریقوں کے ساتھ کامل اور مکمل انصاف کا تذکرہ موجود ہے اس میں غور وفکر کرنا ہمارے لئے اس حقیقت کو موکد کرتا ہے۔

﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ وَشَاهِدٍ وَّ مَشْهُوْدٍ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ اِذْهُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّا اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ﴾ (سورۃ البروج: ۱۔۱۱)

”آسمان کی قسم جس میں برج ہیں اور اس دن کی جس کا وعدہ ہے اور حاضر ہونے والے کی اور جو اس کے پاس حاضر کیا جائے اس کی، کہ خندقوں (کے کھودنے) والے ہلاک کر دیے گئے (یعنی) آگ (کی خندقیں) جس میں ایندھن (جھونک رکھا) تھا جبکہ وہ ان (کے کناروں) پر بیٹھے ہوئے تھے اور جو (سختیاں) اہل ایمان پر کر رہے تھے ان کو سامنے دیکھ رہے تھے، ان کو مومنوں کی یہی بات بری لگتی تھی کہ وہ خدا پر ایمان لائے ہوئے تھے جو غالب اور قابل ستائش ہے، جس کی آسمانوں اور زمین میں بادشاہت ہے اور خدا ہر چیز سے واقف ہے، جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو تکلیفیں دیں اور توبہ نہ کی ان کو دوزخ کا عذاب بھی ہوگا اور جلنے کا

عذاب بھی ہوگا (اور) جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے
رہے ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ یہی
بڑی کامیابی ہے۔"

بہت سے حضرات نے ان آیات کو اس قصہ کے متعلق گفتگو کرنے کے دوران ذکر کیا ہے جیسا کہ امام ترمذی اور ابن اسحاق نے کیا، جبکہ دوسرے بعض حضرات نے فرمایا کہ "یہ آیات اصحاب اخدود کے بارے میں بطور تخصیص کے تو نہیں لیکن انہیں اولیت کے طریقہ پر شامل ہیں"۔ اس قصہ کو سورہ بروج کی تفسیر میں ذکر کرنا جیسا کہ راجح ہے، اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ سنت نے ان چیزوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، جنہیں قرآن مجید نے مجمل رکھا ہے۔

فوائد

اس قصہ میں مختلف فوائد اور متعدد دروس کی طرف اشارہ ملتا ہے لیکن اس کا مقصود اصلی اور مرکزی خیال ایک ہی ہے جس کے تحت سارا قصہ چلتا ہے اور وہ ہے "حق کی طرف دعوت اور اس کے راستہ میں فنا ہو جانا"۔

گہرا غور و فکر کرنے سے معلوم ہوگا کہ دعوت کی کامیابی کے اسباب اور قصہ میں مذکور اسباب دعوت مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) تمام ممکنہ امور کو دعوت میں استعمال کرنا:

دعوت کو زیادہ سے زیادہ موثر اور کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ تمام ممکنہ اسباب و امور کو دعوت میں استعمال کرنا چاہئے۔ یہ بات ہمیں لڑکے کے طرز عمل سے معلوم ہوتی ہے کہ اس نے لوگوں کے دلوں کو نرم کرنے اور انہیں دعوت کے ساتھ مربوط کرنے کے لئے ہر ممکن حد تک بیماریوں کے علاج کو استعمال کیا۔۔ پھر اپنے اس عمل کو یہ

کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا کہ میں کسی کو شفا نہیں دیتا بلکہ شفا دینا تو اللہ کا کام ہے۔ اس نے یہ بات اس وقت کہی جب دل شفا کے سبب کو پہچاننے کے لئے تیار ہو چکے تھے اور بطور نتیجہ کے اس کی طرف متوجہ ہو چکے تھے، پس وہ ضرورت مند شخص سے کہتا تھا "اگر تو اللہ پر ایمان لے آئے تو میں اللہ سے دعا کروں گا اور وہ تجھے شفا دے گا"۔ یہ طرز عمل اللہ کے نبی حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اختیار کیا جب جیل میں ان کے دو ساتھیوں نے ان سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے ان کا جواب دینے سے پہلے انہیں ایمانی روشنی عطا کی اور اس علم میں اپنے سے زیادہ فضیلت کے حامل یعنی اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کیا اور اسی دوران انہیں ایمان کی دعوت دی اور شرک سے روکا۔ آخر میں ان کے سوال کا جواب دیا اور ان کے خوابوں کی تعبیر بتائی۔

اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيَانِ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ (سورۃ یوسف: ۳۶،۳۷)

"اور ان کے ساتھ دو اور جوان بھی داخل زنداں ہوئے۔ ایک نے ان میں سے کہا کہ (میں نے خواب دیکھا ہے) دیکھتا (کیا) ہوں کہ شراب (کیلئے انگور) نچوڑ رہا ہوں دوسرے نے کہا (میں نے بھی خواب دیکھا ہے) میں یہ دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور جانور ان میں سے کھا رہے ہیں (تو) ہمیں

ان کی تعبیر بتا دیجئے کہ ہم تمہیں نیکوکار دیکھتے ہیں۔ یوسف نے کہا جو کھانا تم کو ملنے والا ہے وہ آنے نہیں پائے گا کہ میں اس سے پہلے تم کو اس کی تعبیر بتا دوں گا۔ یہ ان (باتوں) میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہیں جو لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے اور روز آخرت سے انکار کرتے ہیں ان کا مذہب چھوڑے ہوئے ہوں۔''

یہ بات بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ ممکنہ اسباب کے استعمال کرتے ہوئے لوگوں کو دعوت سے مربوط کرنا ان کی سعادت کا مکمل وجود ہے۔ لوگوں سے بوجھ دور کرنے کا راستہ اختیار کرنا محض کلام کرنے سے زیادہ فائدہ مند ہے کیونکہ کسی چیز کی محبت فراغت سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ بھلائیوں کے بقدر محبت و بھائی چارہ پیدا ہوتا ہے۔

افسوس کا مقام یہ ہے کہ عیسائی مشنریاں اور مستشرقین اپنی دعوت میں اس طرز عمل کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔ وہ لوگوں کو عیسائیت کی طرف متوجہ کرنے اور اس کی ترغیب دینے کے لئے بے پناہ دولت خرچ کرتے ہیں اور ان سے طبی اور مادی تعاون کرتے ہیں۔ عیسائی لوگوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ عیسائیت ہی وہ مذہب جو محبت کو پھیلاتا اور سلامتی کا پرچار کرتا ہے اور عیسائیت قبول کرنے والوں کی تکالیف کو دور کرتا ہے۔

یقیناً یہ اسلوب تبلیغ بعض اسلامی تنظیموں میں بھی رائج ہے اور اس اسلوب کے پیش نظر ہسپتال اور مدارس بنائے جاتے ہیں لیکن یہ اس راستہ کی ابتداء ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے امید کرتے ہیں کہ وہ اس طرز عمل کے اختیار کرنے والے مسلمانوں کو اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ لوگوں کی منفعت کو محض منفعت برائے منفعت کے طور پر پیش نظر نہ رکھیں بلکہ وہ ان منافع کو دعوت کی تاکید کے لئے پیش نظر رکھیں اور ان کے اختیارات مشروعات کے لئے جاری ہوں نیز ان کے ادارہ کے اسالیب اسی بنیاد پر قائم ہوں۔

اپنی دعوت کو کامیاب اور موثر بنانے والے داعی کی ذمہ داری ہے کہ وہ جدید

اسباب دعوت کو بروئے کار لائے کیونکہ یہ بات درست نہیں کہ باطل کی دعوت دینے والے تو عوام کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے نت نئے اسباب استعمال کریں جبکہ داعی حق قدیم اسالیب کے پیچھے پڑا رہے، ایسا کرنے سے اس کی دعوت کی تاثیر ختم ہو جائے گی۔

کامیاب داعی وہ ہے جو قول اور عمل کا جامع ہو۔ اگر وہ قولی دعوت کے ذریعہ جہالت کے خلاف بولتا ہے تو عملی اسلوب کے طور پر مدارس بھی قائم کرے اور اگر قولی دعوت کے ذریعہ فقر کی مذمت بیان کرتا ہے تو خیر کے راستہ میں خرچ کر کے فقراء کی دلجوئی بھی کرے۔ اسی طرح تمام معاملات میں قول و فعل کو جمع کرے۔

اس طرز کو اختیار کر کے داعی علمی اور عملی اسلوب دعوت کو جمع کر سکتا ہے اور اپنی دعوت کو پر اثر اور پھیلانے کا ذریعہ پیدا کر سکتا ہے۔

(۲) دنیاوی اغراض سے بے نیاز ہو کر دعوت دینا

اس قصہ میں دعوت کی کامیابی کا یہ بھی ایک سبب معلوم ہوتا ہے کہ جب بادشاہ کے ہم نشین نے اسے اتنے زیادہ مال کی پیش کش کی جسے دیکھ کر لالچی لوگوں کے منہ میں پانی بھر آتا ہے لیکن لڑکے نے اس کے مال و دولت سے اعراض کرتے ہوئے اسے ایمان کی دعوت دی اور وہ ایمان لے آیا۔

اس قسم کے عمدہ اور دلنشین تاثرات و واقعات حضور ﷺ کی سیرت طیبہ سے بھی معلوم ہوتے ہیں جب قریش ڈرا کر اور لالچ دے کر آپ ﷺ دعوت حق سے روکنے کی کوشش کی تو حضور ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب سے فرمایا:

”اے چچا جان! خدا کی قسم اگر وہ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں کہ میں اس دعوت کو چھوڑ دوں تو میں اسے نہ چھوڑوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے غالب کر دے یا میں اس میں ہلاک کر دیا جاؤں“۔[1]

---

[1] سیرۃ ابن ھشام

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو تعلیم دی کہ وہ اپنی قوم کو فرمادیں:

﴿قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ﴾

(سورۃ الانعام: ۹۰)

''کہہ دو کہ میں تم سے اس (قرآن) کا صلہ نہیں مانگتا۔ یہ تو جہاں کے لوگوں کے لئے محض نصیحت ہے۔''

یہ بات بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ داعی کے اس طرز کو اختیار کرنے سے لوگوں کے دلوں میں دعوت کے متعلق ہمدردی پیدا ہوگی جب وہ داعی کو دیکھیں گے کہ وہ انہیں سب کچھ عطا کررہا ہے لیکن اس کے بدلہ میں ان سے کسی ایسی چیز کا خواہش مند نہیں جو لالچی لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کردیتی ہے۔ اس امت کے سب سے بڑے عالم (حبر الامۃ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''اگر علم والے علم کو اس کے حقوق ومناسبات کے ساتھ حاصل کریں تو اللہ تعالیٰ، فرشتے اور صالحین ان سے محبت کریں گے اور لوگ ان میں رغبت رکھیں گے لیکن اگر وہ اپنے اس علم کے ذریعہ دنیا کو طلب کریں گے تو اللہ ان سے نفرت کرے گا اور وہ لوگوں کے نزدیک حقیر بن جائیں گے''۔

(۳) دعوت کی اشاعت میں نافع ترین وسیلہ اختیار کرنا

دعوت داعی کے خیالات وافکار اور اس کے حواس پر اس طرح چھا جاتی ہے کہ وہ یہ خواہش کرتا ہے کہ یہ دعوت ہر فرد تک پہنچ جائے اور ہر سننے والے شخص پر اثر انداز ہو اور وہ اس کو پہچان لے۔ اس مقصد کے لئے داعی اپنا سب کچھ خرچ کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے، اس قربانی کی ابتداء مال اور انتہاء جان سے ہوتی ہے۔

یہ طرز عمل حضور ﷺ نے بھی لوگوں کے دلوں کو ایمان کی طرف متوجہ کرنے کے لئے استعمال فرمایا، چنانچہ انہیں بہت سے اموال عطا فرمائے، حضرت موسیٰ بن انس

نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ سے جب بھی اسلام کی بنیاد پر کسی چیز کو مانگا جاتا تھا تو آپ ضرور عطا فرما دیتے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اسے بکریوں کا ایک بڑا ریوڑ عطا فرمایا، پھر وہ شخص اپنی قوم کی طرف لوٹ گیا اور ان سے کہا "اے لوگو! اسلام قبول کرلو کیونکہ محمد ﷺ اتنا مال عطا کرتے ہیں کہ فاقہ کا خوف نہیں رہتا۔"[1]

اس قصہ میں اس لڑکے نے بادشاہ کو اس کی چاہت کے مطابق ایک ایسی چیز عطا کی جس کا وہ متمنی اور خواہشمند تھا یعنی اپنی موت کا راستہ......!

لڑکے نے یہ عمل محض دعوت سے محبت کی بنیاد پر کیا تھا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ دعوت کے راستہ میں ہر چیز معمولی ہے خواہ زندگی ہی کیوں نہ ہو۔

اس نکتہ سے ان لوگوں کی غلطی آشکار ہو جاتی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ دعوت کی بہتری دعوت دینے والوں کی حفاظت میں ہے، اسی طرح وہ لوگ جو دعوت کی مصلحت کا خیال کیے بغیر اپنی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں، یہ دونوں نظریات غلطی سے خالی نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہر قربانی کو بہادری، ناعاقبت اندیشی اور بزدلی قرار دینے سے پہلے دعوت کی مصلحت کا خیال رکھا جائے۔ اگر اس قربانی کا فائدہ اور ضرورت ہو تو بہادری اگر فائدہ یا ضرورت نہ ہو تو ناعاقبت اندیشی اور اگر قربانی کی استعداد ہی نہ ہو تو بزدلی قرار دیا جائے۔

(۴) دعوت کے راستہ میں قربانیاں دینا اور صبر کرنا:

دعوت کا راستہ بہت سے خطرات و مصائب پر مشتمل ہے، یہ مصائب اس قدر ناقابل برداشت ہوتے ہیں کہ دعوت دینے والوں کو دعوت سے دور ہٹانے اور بیزار کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اللہ رب العزت اسی حقیقت کو بے نقاب کرتے ہوئے ارشاد

---

[1] رواہ مسلم و احمد

فرماتے ہیں:

﴿وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا﴾ (سورۃ البقرۃ:۲۱۷)

''اور یہ لوگ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر طاقت رکھیں تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں۔''

اسی طرح فرمایا:

﴿وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ﴾ (سورۃ الممتحنہ:۲)

''اور چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح کافر ہو جاؤ۔''

دعوت دینے والوں کے دشمنوں کی حس محض دعوت کی بندش کی خواہش نہیں کرتی بلکہ خفیہ اور ظاہری طور پر دعوت کے راستہ میں کانٹے بچھانے اور مشکلات کے بیج بونے کا تقاضا کرتی ہے۔

قصہ کے اندر یہ حقیقت ہمیں دو طرح سے معلوم ہوتی ہے ایک یہ کہ راہب نے اس داعی لڑکے سے کہا تھا کہ عنقریب تجھے آزمایا جائے گا، دوسرا یہ کہ اس قصہ میں ایمان والوں کو دشوار ترین حالات پیش آئے، سب سے پہلے تو راہب پر مصائب اتریں اور پھر اس دودھ پیتے بچہ کے تذکرہ پر اسکی انتہاء ہوئی جس نے اپنی ماں سے کہا تھا: ''صبر کریں کیونکہ آپ حق پر ہیں''۔

ایسی صورت حال میں ضروری ہے کہ دعوت دینے والے ان حالات کا مقابلہ تکالیف پر صبر کے ساتھ کریں اور خود کو دعوت کے راستہ میں قربانی دینے کے لئے تیار کریں اگر وہ دعوت کی نصرت اور اس کے جھنڈے کی سربلندی کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو آرام طلبی اور کم ہمتی کے باعث دعوت کی عمارت کو منہدم کرنے والے بن جائیں گے اور یہ اس وقت ہوگا جب وہ زندگی کے سمندر میں ڈوب جائیں گے اور زندگی کی خاطر دعوت قربان کر دیں گے لیکن دعوت کی خاطر زندگی داؤ پر نہ لگائیں

گے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس قربانی کا داعی کو مکلف بنایا گیا ہے لیکن دعوت کی نصرت کے لئے اس کا کوئی ثانی نہیں۔

اس معنی کی تائید ایک واقعہ سے ہوتی ہے احمد بن داؤد ابو سعید واسطی نے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

''میں نے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی قید کی حالت میں ملاقات کی، ابھی انہیں کوڑے نہ لگائے گئے تھے، اس دوران میں نے ان سے عرض کیا: ''اے ابو عبداللہ! آپ پر اہل و عیال کی ذمہ داری ہے، آپ کے بچے بھی ہیں اور آپ معذور ہیں''۔ میں چاہتا تھا کہ ان کے لئے بات کی قبولیت کو آسان کر دوں، میری یہ گفتگو سن کر امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا: ''اے ابو سعید! اگر تیری یہی سمجھ ہے تو یقیناً تو آرام طلبی کر رہا ہے''۔

اس موقع پر اس بات کا جان لینا بھی ضروری ہے کہ اگر کسی شخص کے لئے دعوت کے راستہ میں قربانیاں برداشت کرنا ممکن نہ ہو تو وہ دعوت دینے والوں پر دست درازیوں سے باز رہے اور اپنے نفس کو عجز و کوتاہی کا الزام زدہ قرار دے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بلند ترین انتہاء اور قیمتی ترین ہدف یعنی دعوت کے راستہ میں قربانی دینے والوں کی سواری کو چھوڑ چکا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے اسی حقیقت کو آشکارا کرنے کے لئے یہ قصہ اور اس قسم کے دوسرے ارشادات بیان فرمائے تاکہ ان قصوں کی وجہ سے تکالیف پر صبر کر سکیں اور ان واقعات کو سن کر وہ حق پر ثابت قدمی اختیار کریں جیسا کہ گذشتہ داعیانِ حق نے اس راستہ میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔

سنت نبویہ ﷺ میں اس حقیقت کے متعلق بہت سی توجیہات موجود ہیں، میں ان میں سے اس حدیث پر اکتفا کرتا ہوں۔

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم نے رسول اللہ ﷺ

سے عرض کیا اس حال میں کہ آپ اپنی چادر اوڑھے ہوئے خانہ کعبہ کے سایہ میں کھڑے تھے، ہم نے کہا: "آپ ہمارے لئے مدد کیوں نہیں اتروا دیتے؟ آپ ہمارے لئے دعا کیوں نہیں کر دیتے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک آدمی کو پکڑا جاتا تھا، گڑھا کھود کر اس میں رکھا جاتا تھا پھر ایک آرا لا کر اس کے سر پر رکھ کر اسے دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جاتا اور یہ عمل ان کو ان کے دین سے نہ روکتا تھا، نیز لوہے کی کنگھیاں ان کے گوشت کے نیچے اور پٹھوں پر کی جاتی تھیں اور یہ بات ان کو ان کے دین سے نہ روکتی تھی۔ خدا کی قسم یہ دین (اسلام) کامل ہوگا حتیٰ کہ اگر ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک چلا جائے گا اس کو خدا تعالیٰ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا اور نہ کوئی شخص اپنی بکریوں پر بھیڑیے کا خوف کرے گا لیکن اس معاملہ میں تم عجلت چاہتے ہو"۔(۱)

لہٰذا داعی پر لازم ہے کہ دعوت کے اجر و ثمرات کے حصول میں جلدی نہ کرے اور دعوت کے راستہ میں آنے والی تکالیف اور پریشانیوں سے دلبرداشتہ نہ ہو کیونکہ مدد صبر کے ساتھ ہے، کشادگی تنگی کے ساتھ ہے اور آسانی مشکل کے ساتھ ہے۔

(۵) داعی کے چناؤ میں احتیاط کرنا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿"فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ"﴾ (سورۃ التوبۃ ۱۲۲)

"کہ ہر ایک جماعت سے چند اشخاص نکل جاتے تاکہ دین (کا علم سیکھتے) اور اس میں سمجھ پیدا کرتے۔ اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آتے تو ان کو ڈر سناتے تاکہ وہ حذر کرتے۔"

۱۔ اخرجه البخاری و ابو داؤد و احمد

دعوت دینے والوں کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ دوسرے لوگوں کی طرف نسبت کرتے ہوئے ایسے ہیں جیسے جسم کے لئے روح۔ اس لئے کہ ان کے اخلاص اور للّٰہیت کے بقدر معاشرہ میں درستگی اور نجات کا سامان پیدا ہوگا۔

یہ ثمرات اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک دعوت دینے والوں کے اختیار اور چناؤ میں احتیاط اور باریک بینی سے کام نہ لیا جائے۔

اس قصہ میں ہمیں یہ بات جادوگر کے اس قول سے معلوم ہوتی ہے کہ "میرے لئے ایک سمجھدار لڑکا تلاش کرو"۔

جب لڑکے کے چناؤ میں ان عمدہ صفات کا لحاظ رکھا گیا تو اللہ کا ارادہ نیکی کی دعوت میں نافذ ہوا۔ بعض محکموں میں یہ طریقہ کار رائج ہے جیسے پولیس، فوج اور جسمانی ریاضت پر مشتمل ادارے وغیرہ۔ ان میں نئے آنیوالے حضرات سے مختلف قسم کے انٹرویوز اور ٹیسٹ لئے جاتے ہیں تاکہ دل و جسم کے اعتبار سے مناسب ترین افراد کو اختیار کیا جا سکے۔ جب ان محکموں میں یہ طریقہ رائج ہے تو دعوت دینے والوں میں اس کا لحاظ تو بہت ضروری ہے کیونکہ داعی امت کی زبان اور اس کا دل ہیں اور دنیا و آخرت میں اس کی عزت و شرافت کو ظاہر کرنے والے ہیں۔

رذائل اخلاق کی مذمت میں نبوی قصے

تمہید:

انسانی نفس کی نافع صفات و عادات کی بعض جوانب اوران کی ترغیب و ترجیح سے متعلق نبوی قصوں کے کردار کو بیان کرنے کے بعد ہماری رائے یہ ہے کہ انسان کا نفس بعض اوقات کسی برائی اور غیر اخلاقی فعل کا شکار بھی ہو جاتا ہے۔

ان غیر اخلاقی اور مذموم افعال کو مدنظر رکھتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ حکمت کے باعث حضور ﷺ نے بعض غیر اخلاقی صفات کی تردید میں واقعاتی طرز و اسلوب کو استعمال فرمایا اور باقی صفات پر تنبیہ کو دوسرے اسلوب تربیت کے لئے چھوڑ دیا۔

بہرحال جیسے ہم نے سنت کے قصوں اور مکارم اخلاق کی طرف ان کی دعوت کا تذکرہ کیا اسی طرح ہم بری عادات اور معاصی کے ترک کروانے میں نبوی قصوں کے کردار کو بیان کرتے ہیں، اس طرح تحلیہ (عمدہ صفات سے مزین ہونا) اور تخلیہ (بری صفات کو چھوڑنا) کو جمع کرنے والے بن جائیں گے۔ ان قصوں کے بیان کرنے میں بھی ہم وہی طرز اختیار کریں گے جو مکارم اخلاق سے متعلق قصوں میں اختیار کیا گیا تھا یعنی پہلے ان قصوں کا تذکرہ ہے جن کی صحت پر اتفاق ہے اور پھر دوسرے قصوں کا ذکر ہوگا۔

واللہ الموفق

(۱) تکبر

متکبر کے زمین میں دھنس جانے کا قصہ

حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے سالمؒ نے خبر دی کہ ابن عمرؓ نے

حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا کہ "ایک مرتبہ ایک آدمی اپنے ازار کو تکبر کے طور پر گھسیٹ کر چل رہا تھا تو اسے زمین میں دھنسا دیا گیا، وہ قیامت کے دن تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا"۔[1]

تشریح

بعض حضرات نے قصہ میں مذکور شخص کا نام اور اس کا وطن جاننے کی کوشش کی ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد قارون ہے۔ بعض کے نزدیک یہ ہیزن نامی شخص ہے جس کا تعلق فارس کے دیہاتوں میں سے کسی دیہات سے تھا۔

ان اقوال کے قائلین نے اپنے اقوال کو ایسی مرویات کی طرف منسوب کیا ہے جنہیں علماء نے ضعیف قرار دیا ہے۔

اس جیسی حالت میں زیادہ بہتر بات یہ ہے کہ حدیث میں ذکر کردہ حد پر اکتفاء کیا جائے اور اس چیز میں غور وفکر نہ کیا جائے جس کے بارے میں سکوت کو حکمت خیال کیا گیا اس لئے کہ اگر اس میں کوئی فائدہ ہوتا تو سنت میں اس کا تذکرہ ضرور کیا جاتا۔

بعض علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ قصہ میں مذکور شخص امت محمدیہ سے تعلق رکھتا تھا اور حضور ﷺ کا ارشاد آئندہ زمانہ کے اعتبار سے ہے۔

میرے نزدیک پہلی رائے زیادہ بہتر ہے، اگرچہ عقل اس قسم کے واقعات کو کسی بھی زمانہ وعلاقہ میں محال قرار نہیں دیتی، اس وجہ سے حضور ﷺ نے اس قصہ اور اس جیسے دوسرے واقعات کو بیان فرمایا۔

اس قصہ میں اس شخص کی حالت کا تذکرہ ہے جو تکبر کی وجہ سے اپنے ازار کو گھسیٹ کر چلتا تھا لیکن یہ گناہ ہر متکبر کے ساتھ لاحق ہوگا خواہ ازار سے تکبر کو ظاہر کرے یا جوتوں سے یا کسی اور چیز سے، اس لئے کہ صفت کی مذمت بیان کرنا مقصود ہے نہ کہ

---

[1] رواہ البخاری و مسلم و الترمذی و النسائی و الدارمی و احمد

علامت کی۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ''ازار کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تکبر کا اظہار عموماً اسی سے کیا جاتا ہے''۔

﴿فوائد﴾

(۱) تکبر کی حرمت و مذمت:

ابو سعید خدری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک حدیث قدسی میں ہے: ''کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا ازار ہے، جو ان دونوں میں سے کسی ایک کے بارے میں مجھ سے جھگڑے گا میں اسے جہنم میں ڈال دوں گا''۔[۱]

عذاب کی یہ وعید ہر متکبر کے لئے ہے خواہ وہ اپنے طرز عمل میں معمولی سے تکبر کا حامل ہی کیوں نہ ہو، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک صحیح حدیث منقول ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا''۔[۲]

تکبر کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ متکبر شخص خود کو بہترین اور غیر کو حقیر ترین سمجھتا ہے اور خود کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے کسی کی نصیحت کو قبول نہیں کرتا اور جو اپنے لئے پسند کرتا ہے وہ کسی کے لئے پسند نہیں کرتا۔ اس کے ان اعمال کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اس کی نفرت اور ناپسندیدگی جنم لے لیتی ہے۔

اس صورت حال میں متکبر شخص اپنے لئے اور اپنے اردگرد کے لوگوں کے لئے بے خیر بن جاتا ہے، اسی وجہ سے اسلام نے تکبر کی مختلف صورتوں اور تمام علامات و مظاہر

۱۔ رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ و احمد

۲۔ اخرجہ مسلم و ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ و احمد

سے روکا اور اس کو اختیار کرنے پر سخت وعید فرمائی اگرچہ تھوڑا سا تکبر ہی کیوں نہ ہو۔

مذکورہ قصہ میں تکبر کی ایک علامت کی مذمت بیان کی گئی ہے اور وہ علامت تکبر، خود پسندی اور منافرت کی بنیاد پر ازار کو گھسیٹنا ہے۔ حدیث میں بتایا گیا کہ اس قسم کے تصرفات واعمال زمین میں دھنسائے جانے کا باعث بن سکتے ہیں۔

لباس کے اندر تکبر کے اظہار کی حرمت کی تاکید کے طور پر اس قصہ کی طرح ایک اور جگہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص تکبر کی وجہ سے اپنے کپڑے کو گھسیٹے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے (نظر رحمت) سے نہ دیکھیں گے''۔[1]

ایک دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''جو شخص اپنے ازار کو گھسیٹ کر چلے اور اس سے اس کا مقصد تکبر ہو تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو قیامت کے دن (نظر رحمت) سے نہیں دیکھیں گے''۔[2]

اگر مسلمان کا دل تکبر، اکڑپن اور خود پسندی کی نیت سے خالی ہو تو اس کا کپڑے کو لٹکانا تکبر کی حدود سے خارج ہوگا لیکن متکبرین کے ساتھ تشبہ کی وجہ سے مکروہ ضرور ہے، اس بات کی تائید حضرت سالم بن عبداللہ کی اپنے والد سے نقل کردہ ایک صحیح حدیث سے ہوتی ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے کپڑے کو تکبر کی وجہ سے گھسیٹ کر چلے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے نظر رحمت سے نہ دیکھیں گے''۔ (یہ سن کر) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، ''یا رسول اللہ میرے ازار کا ایک حصہ نیچے لٹک جاتا ہے لیکن میں اسے اوپر کر لیتا ہوں''۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تو ان لوگوں میں سے نہیں جو یہ عمل تکبر کی وجہ سے کرتے ہیں۔''[3]

علماء کرام نے ان روایات کو جن میں شلوار ٹخنوں سے نیچے کرنے پر وعید کا تذکرہ

۱۔ اخرجه البخاري و النسائي و احمد

۲۔ رواه مسلم و احمد

۳۔ اخرجه البخاري و ابو داؤد و النسائي و احمد

ہے اس معنی پر محمول کیا ہے کہ اگر کوئی شخص بطور تکبر کے ایسا کرے لیکن اگر اس کی نیت تکبر کی نہ ہو تو یہ محض مکروہ ہوگا۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ ازار کے لٹکانے کی ممانعت سے عورتوں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ اس کی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ عورتیں اپنے دامن کا کیا کریں؟ آپ نے فرمایا: ''وہ ایک بالشت تک لٹکائیں''۔ حضرت ام سلمہؓ نے کہا ''اس طرح تو ان کے پاؤں نظر آنے لگیں گے'' آپ نے فرمایا: ''پھر ایک بازو کی مقدار تک لٹکالیں اس سے زیادہ نہ کریں''۔[1]

اس بات کا جان لینا بھی ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص عمدہ اور خوبصورت لباس و پوشاک اور جوتوں کو اختیار کرتا ہے تو اس عمل کو تکبر میں شمار نہ کیا جائے گا کیونکہ اس بارے میں سنت نبویہ میں نص وارد ہوئی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکتا'' ایک آدمی نے عرض کیا: ''انسان چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے خوبصورت ہوں اور اس کے جوتے بھی خوبصورت ہیں'' حضور ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے، تکبر تو حق کو دھتکارنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے''۔[2]

مذکورہ روایت میں ذکر کردہ جملہ ''اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے'' اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ خوبصورت کپڑے پہننا صرف مباح ہی نہیں بلکہ مستحب اور ترغیب شدہ عمل ہے، اس بات کی تائید بھی حضرت ابوالاحوص کی اپنے والد سے ذکر کردہ روایت سے ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ''میں ایک انتہائی بوسیدہ لباس میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے پوچھا، ''کیا تیرے پاس مال ہے؟'' میں عرض

---

۱ اخرجه الترمذی و ابوداؤد وغیرهما

۲ مسلم و الترمذی

کیا، "جی ہاں" آپ نے دریافت فرمایا: "تیرے پاس کیا مال ہے" میں نے کہا "اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹ، بکریاں، گھوڑے اور غلام عطا کئے ہیں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جب اللہ نے تجھے مال دیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے احسانات وانعامات کا اثر تجھ پر ظاہر ہونا چاہئے" [1]

بہر حال جب تکبر تمام لوگوں کی طرف سے اپنے مختلف مظاہر کے ساتھ ایک مذموم حرکت ہے تو دعوت دینے والوں کے لئے اس کی مذمت اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ لوگ ان کے علم ودینی سمجھ کے محتاج ہوتے ہیں۔ اگر داعی لوگوں کے سامنے بڑا بنے گا اور اپنے ظاہر اور اپنی گفتگو کے ذریعہ اظہار تکبر کرے گا تو وہ خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا اور پھر اس کا علم اور اس کی دعوت اس کے خلاف دلیل بن جائیں گے اس کے حق میں دلیل نہ بن سکیں گے۔

یہ بات بہت ضروری ہے کہ دعوت دینے والے اپنے ظاہر اور اپنی گفتگو میں تواضع وعاجزی کے آداب کو اختیار کریں تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا ہو جس کے نتیجہ میں داعی حضرات کی دعوت ثمر آور ہو سکے گی۔

(۲) حیاتِ برزخ کا ثبوت:

اس قصہ میں برزخی زندگی اور اس کے عذاب وانعام کا ثبوت بھی ملتا ہے کیونکہ اس قصہ کے مطابق متکبر شخص کو قیامت کے قائم ہونے تک مسلسل زمین میں دھنسائے جانے کا عذاب دیا جاتا رہے گا۔

(۲) ﴿جانوروں کو تکلیف دینا اور ان پر ظلم کرنا﴾

بلی پر ظلم کرنے والی عورت کا عبرتناک قصہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] اخرجہ ابوداؤد

فرمایا: "ایک عورت کو بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا، اس نے بلی کو قید کر دیا یہاں تک کہ وہ بلی مر گئی اور وہ عورت بلی کی وجہ سے جہنم میں داخل ہو گئی، وہ عورت بلی کو قید کرنے کے بعد نہ کھلاتی تھی نہ پلاتی تھی اور نہ اسے آزاد چھوڑا کہ وہ خود زمین کے چھوٹے جانور کھا لیتی"۔[1]

فوائد

(۱) محترم جانور کو حسن سلوک کے ساتھ پالنے کا جواز:

اس قصہ سے بلی کو پکڑ کر باندھنے کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے اور اسی طرح دوسرے محترم جانوروں کو اسی حکم کے تحت رکھا جائے گا لیکن ضروری ہے کہ ان جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے اور ان پر خرچ کرنے کا انتظام کیا جائے۔ یہاں تک کہ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ "اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جانور کا نفقہ اس کے مالک پر واجب ہے۔"

بلی وغیرہ کا مالک بننے کے جواز کی تائید مسلم شریف کی ایک روایت کے ان الفاظ سے ہوتی ہے (فی هرة لها) یعنی اس عورت کو اس کی ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا، لفظ لَهَا میں لام تملیک کے لئے ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت اس بلی کی مالکہ تھی۔

اگر کوئی شخص اس ارشاد کی مخالفت کرے اور بے زبان جانوروں کے معاملہ میں اللہ سے نہ ڈرے تو وہ خود کو اللہ کے غصہ اور ناراضگی کے لئے پیش کرنے والا ہے۔ اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مظلوم جانور قیامت کے دن ظالم پر مسلط کر دیا جائے گا۔

(۲) جہنم پیدا ہو چکی ہے:

اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم کو پیدا کر دیا گیا ہے اور اب بھی بعض لوگوں کو

---

[1] اخرجه البخاری و مسلم و النسائی و ابن ماجه و احمد

اس میں عذاب ہو رہا ہے یہ اہل سنت کا مذہب ہے جبکہ معتزلہ اس سے اختلاف کرتے ہیں۔

(۳) موذی جانور کو بھوکا مارنا جائز نہیں:

عورت کے جہنم میں داخل ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ اس نے بلی کو بھوکا پیاسا رکھ کر اس پر ظلم کیا یہاں تک وہ مر گئی۔ اس عمل کی مذمت اس بات کی دلیل ہے کہ جن چیزوں کے قتل کا مطلق حکم دیا گیا ہے جیسے چیل، کوا وغیرہ[1] یا جن چیزوں کے موذی ہونے کی بنا پر ان کو قتل کرنا ضروری ہے ان کو قتل کرنے کے ذریعہ کے طور پر انہیں کھانے پینے سے محروم نہیں رکھا جا سکتا۔ کیونکہ یہ اسلام کے حکم کے منافی ہے اس لئے کہ اسلام ذی روح کو لامحالہ قتل کرنے کی صورت میں آسانی اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

(۴) گناہوں کو حقیر نہ سمجھیں

اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عقل مند آدمی وہ ہے جو کسی گناہ کو حقیر نہ سمجھے اس لئے کہ ممکن ہے کہ وہ کسی گناہ کو معمولی سمجھ رہا ہو لیکن اس میں اس کی ہلاکت و بربادی پوشیدہ ہو۔

(۳) ﴿انسان کو اللہ کی رحمت سے نا امید کرنا﴾

گناہ گار کو مایوس کرنے والے بدنصیب عابد کا قصہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ بنی اسرائیل میں دو آدمی جو ایک دوسرے سے آگے بڑھنے والے تھے، پس ان میں سے ایک تو گناہوں کا دلدادہ تھا اور دوسرا عبادت میں کوشش کرنے والا

---

[1] اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ چیل اور کوے وغیرہ کو مطلقاً ہلاک کرنا جائز ہے، حالانکہ فقہی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ان جانوروں کو مارنا چاہئے جو ایذاء پہنچانے والے ہوں۔ (مترجم)

تھا۔ عبادت میں مصروف رہنے والا جب بھی دوسرے کو گناہوں میں مشغول دیکھتا تو اسے کہتا کہ "رک جا"۔

ایک دن عابد نے گناہ گار کو گناہوں میں مشغول دیکھا تو اسے رکنے کا حکم دیا تو گناہ گار نے کہا:

"مجھے اور میرے رب کو تنہا چھوڑ دے، کیا تجھے میرے اوپر نگہبان بنایا گیا ہے"؟ اس کی یہ بات سن کر عبادت گزار گویا ہوا، "بخدا اللہ تعالیٰ تیری مغفرت نہیں کرے گا یا تجھے جنت میں داخل نہیں کرے گا"۔

ان دونوں کی روحوں کو قبض کیا گیا اور رب العالمین کے دربار میں پیش کیا گیا، اللہ تعالیٰ نے انہماک سے عبادت کرنے والے کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "کیا تو مجھے جاننے والا تھا یا میرے قبضہ میں موجود چیز پر قادر تھا؟" اور گناہ گار سے فرمایا: "تو جا اور میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جا" پھر عابد کے بارے میں فرمایا: "اسے لیجاؤ اور جہنم میں داخل کردو"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس نے ایسی بات کی جس کی وجہ سے اپنی دنیا و آخرت کو تباہ کر دیا"۔[1]

فوائد

(۱) اللہ تعالیٰ جس کو چاہے معاف فرماتا ہے:

اہل سنت اور اہل حق حضرات کا متفقہ عقیدہ یہ ہے کہ جو شخص توحید کا اقرار کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو جنت میں داخل ہوگا اور جو شرک کی حالت میں مرے جہنم میں داخل ہوگا۔ نیز جو مسلمان کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کر کے توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس پر فضل

---

[1] رواہ ابوداؤد و احمد و مسلم مختصراً

واحسان کرتے ہوئے اس کی توبہ کو قبول فرماتے ہیں اور اس کے گناہ بالکل مٹا دیئے جاتے ہیں۔ مگر اس گناہ گار مسلمان نے توبہ نہ کی اور اپنے گناہوں کے بوجھ کو اٹھائے ہوئے اللہ سے ملاقات کرے گا تو اللہ تعالیٰ اپنی مشیت سے چاہے تو اس کو معاف کر دے اور بغیر سزا کے جنت میں داخل کر دے اور اگر چاہے تو اسے اپنی مرضی سے جتنا چاہے عذاب دے پھر بعد میں اسے جنت میں داخل کر دے۔

اس اتفاق شدہ عقیدہ اسلامیہ پر ایک حدیث صحیح بھی دلالت کرتی ہے جسے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کی ایک جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''تم سب آؤ اور مجھ سے اس پر بیعت کرو کہ تم کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ گے، چوری نہ کرو گے، بدکاری نہ کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے اور اپنے ہاتھ اور پاؤں کے سامنے (جان بوجھ کر) کوئی بہتان بنا کر نہیں اٹھاؤ گے اور کسی نیکی کے کام میں میری مخالفت نہ کرو گے، جس نے اس بیعت کو پورا کیا تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور جو ان گناہوں میں سے کسی کا ارتکاب کر بیٹھا اور دنیا میں اسے اس کی سزا دے دی گئی تو یہ سزا اس کے گناہ کا کفارہ بن جائے گی اور اگر وہ کسی گناہ میں مبتلا ہوا اور اللہ نے اس کے گناہ کو چھپا دیا تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے چاہے تو اسے سزا دے چاہے تو معاف کر دے''۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں، ''میں نے بھی ان امور پر حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی''۔[۱]

حضور ﷺ نے اس قصہ کو اس مقصد کے لئے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کے چاہے اور جس گناہ کو چاہے معاف فرما دیتا ہے، یہ قصہ ناامید اور مایوس لوگوں میں زندگی کی روح پھونک رہا ہے اور ان لوگوں کے دلوں میں توازن پیدا کر رہا ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان میں اپنے آپ کو مشکل میں ڈال دیتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے افعال کے بارے میں سوال نہ کیا جائے گا جبکہ ان لوگوں سے

[۱] اخرجه البخاري و مسلم و الترمذي و النسائي و الدارمي و احمد

ان کے اعمال کے بارے میں پوچھ گچھ کی جائے گی۔ مذکورہ درس سے مندرجہ ذیل فائدے حاصل ہوتے ہیں:

(الف) کسی شخص کے بارے میں کوئی ایسا فیصلہ یقینی طور پر نہیں کرنا چاہئے جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے شایان شان ہو کیونکہ یہ عمل بے ادبی اور بے حیائی کے زمرہ میں آتا ہے۔

تمام لوگوں کی حالت قصہ میں مذکورہ شخص کی طرح ہے کہ انہیں نہ تو اللہ کے فیصلہ کا علم ہے اور نہ ہی اللہ کی مقبوضہ اشیاء و حالات پر کوئی قدرت ہے۔

(ب) اس درس سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ انسان کسی کو اللہ کی رحمت سے نا امید و مایوس نہ کرے کیونکہ یہ عمل انسان سے اس وقت سرزد ہوتا ہے جب وہ غرور تکبر اور خود پسندی میں مبتلا ہو چکا ہو، لہٰذا وہ لوگوں سے بڑا بنتا ہے اور انہیں حقیر سمجھتا ہے یہاں تک کہ یہ لوگوں کے لئے اس چیز کو تنگ قرار دے دیتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کشادہ اور وسیع رکھا ہے یعنی رحمت باری تعالیٰ۔

اس حقیقت کی رعایت کرنے کے سب سے زیادہ حقدار اور ذمہ دار اصحاب دعوت ہیں کیونکہ انہیں کے ذریعہ لوگ اپنے رب کو پہچانتے ہیں، لہٰذا جب داعی تواضع و انکساری اور تمام لوگوں کے لئے بھلائی کے جذبات سے سرشار ہوں گے اور واجبات و حقوق اللہ کو ادا کرنے میں خود کو کوتاہ قرار دیں گے جیسا کہ ہونا بھی چاہئے تو یہ عمل لوگوں کے دلوں میں اصحاب دعوت کی محبت واتباع کا موجب بنے گا۔

اور جب داعی تکبر میں مبتلا ہو جائیں گے اور خود کو لوگوں پر داروغہ اور قاضی سمجھ لیں گے اور لوگوں کو اللہ کی رحمت سے نا امید کرنے لگیں گے تو یہ عمل لوگوں کے دل میں دعوت اور اصحاب دعوت کی نفرت کا باعث ہوگا۔

اس صورت میں داعی کو ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھانا ہوگا جو اس کی وجہ سے اللہ کے دین سے روک دیئے گئے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَتَذُوقُوا السُّوءَ بِمَا صَدَدْتُمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴾ (سورۃ النحل: ۹۴)

''اور اس وجہ سے کہ تم نے لوگوں کو خدا کے رستے سے روکا تم کو عقوبت کا مزا چکھنا پڑے گا اور بڑا سخت عذاب ملے گا۔''

اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو بات کرنے سے پہلے سوچ لینا چاہئے اور احتیاط سے گفتگو کرنا چاہئے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ ایسی بات زبان سے نکال بیٹھے جو اس کی دنیا و آخرت کی ہلاکت کا ذریعہ بن جائے۔

ایک صحیح حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ ''بعض مرتبہ بندہ اللہ کی رضا کی ایسی بات کرتا ہے کہ اسے احساس بھی نہیں ہوتا اور وہ بلند درجات حاصل کر لیتا ہے اور بعض دفعہ انسان اللہ کی ناراضگی کی کوئی ایسی بات کر بیٹھتا ہے کہ اسے احساس بھی نہیں ہوتا اور وہ اس کی وجہ سے جہنم میں پھینک دیا جاتا ہے۔''[1]

اس ادب کی رعایت غصہ کی حالت میں کرنا بہت ہی زیادہ ضروری ہے کیونکہ غصہ اعصاب کے ہیجان و جوش کا سبب ہے اور اس حالت میں انسان ایسی بات کر بیٹھتا ہے جس کی حقیقت کا اسے علم بھی نہیں ہوتا۔

اسی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ نے اس قصہ کو حضرت ابوہریرہؓ کے ایک فرمان کے بعد ذکر کیا جس میں انہوں نے اس بات سے سختی کے ساتھ منع فرمایا کہ کوئی شخص ایسی بات کہے جیسی اس شخص نے کہی جو قصہ میں مذکور ہے۔ احمد بن حنبلؒ ضمضم بن جوس یمامی کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ ''مجھ سے حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: ''اے یمامی! کسی آدمی سے ہرگز نہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ تجھے معاف نہ کرے گا یا تجھے جنت میں داخل نہ کرے گا''۔ میں نے کہا: ''اے ابوہریرہ! یہ بات تو ہم میں سے ہر ایک غصہ کی حالت میں اپنے بھائی یا

---

[1] اخرجہ البخاری و الترمذی و ابن ماجہ و مالک و احمد

دوست سے کہتا ہے"، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "تم یہ بات نہ کہو کیونکہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے....۔(پھر آپ رضی اللہ عنہ نے پورا قصہ نقل فرمایا)۔

اس قصہ میں اگرچہ ممانعت تو اس بات پر وارد ہوئی ہے کہ کوئی کسی کو قطعی طور پر جہنمی کہے یا اس جیسی کوئی اور بات کرے لیکن خیال رہے کہ یہ حرمت ایسے الفاظ کی ادائیگی کو بھی شامل ہوگی جو اس معنیٰ میں ہیں اگرچہ ان میں صراحت موجود نہ ہو، جیسے کسی کو ملعون کہنا۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"علماء کا لعن کرنے کی حرمت پر اتفاق ہے اس لئے کہ لعنت کا لغوی معنیٰ ہے "دور کرنا اور ہٹانا" جبکہ اس کا شرعی معنیٰ ہے "کسی کو اللہ کی رحمت سے دور کرنا" لہٰذا کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ کسی ایسے شخص کو اللہ کی رحمت سے دور کرے جس کی حالت اور خاتمہ کی قطعی معرفت اس کو حاصل نہیں، اسی بات کے پیش نظر علماء فرماتے ہیں کہ کسی کو معین کر کے لعنت کرنا جائز نہیں خواہ مسلمان ہو یا کافر اور خواہ جانور ہی کیوں نہ ہو، البتہ اگر نص شرعی سے معلوم ہو جائے کہ کفر پر مرا یا کفر پر اس کا انتقال ہوگا جیسے ابوجہل اور ابلیس تو اس صورت میں لعنت کرنا جائز ہے۔ کسی وصف پر لعنت کرنا حرام نہیں جیسے مصنوعی بال لگانے والی اور لگوانے والی عورت پر لعنت کرنا، جسم کی گدائی کرنے اور کروانے والی پر لعنت کرنا، سود کھانے اور کھلانے والے پر لعنت کرنا، تصویر بنانے والوں پر، ظالموں پر، فاسقوں پر، کافروں پر، زمین کی حد بندی کو بدلنے والے پر، اپنے آقاؤں کے علاوہ کی غلامی ظاہر کرنے والے پر، اپنے باپ کے علاوہ کی طرف منسوب ہونے والے پر اور دین میں کوئی نئی بات پیدا کرنے والے پر یا بدعتی کو ٹھکانہ دینے والے وغیرہ پر لعنت کرنا جائز ہے، یہ تمام وہ افراد ہیں جن کے بارے میں اوصاف کی بنیاد پر لعنت وارد ہوئی ہے نہ کہ شخصیات کی بنیاد پر"۔

اصحاب دعوت کے لئے اپنی دعوت کے اندر اس ادب کی پاسداری بہت

ضروری ہے، انہیں چاہئے کہ اپنی نصیحتوں کو معین اشخاص کی طرف پھیرنے اور اپنے کلام میں عیب دار طرز کو اختیار کرنے کے بجائے ان میں عموم پیدا کریں اور یہ کہ گناہوں کی مذمت اور برائی بیان کریں اور گناہ گاروں کا تعرض نہ کریں۔

مذکورہ قاعدہ پر عمل کرنے سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں:

(۱) دعوت کے اندر زمان و مکان کے حوالہ سے عموم پیدا ہو جائے گا کیونکہ کوئی وقت اور کوئی جگہ گناہوں سے خالی نہیں، لہٰذا اگر دعوت دینے والے گناہ کی مذمت کو بیان کرتے ہوئے گناہ گاروں کو متعین نہ کریں گے تو ان کی دعوت میں زمان و مکان کے اعتبار سے عموم پیدا ہو جائے گا۔

(۲) اگر اس اصول کو اختیار نہ کیا جائے تو گناہ گار لوگ سمجھیں گے کہ دعوت دینے والے کے ساتھ ان کی دشمنیاں اور اختلافات ہیں کیونکہ وہ ان کے ناموں کو گناہ گاروں میں ذکر کر رہا ہے لہٰذا ان کے دل میں سرکشی اور عناد کا جذبہ موجزن ہو جائے گا اور اس صورت میں وہ داعی کو نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔

(۳) حضور ﷺ کا مبارک طریقہ بھی یہی ہے کہ وہ عام گناہ گاروں کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے "لوگوں کو کیا ہوا...." آپ ان کے ناموں کا تذکرہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔

حضور ﷺ کے طرز دعوت سے بڑھ کر کس طریقہ دعوت میں خیر و صلاح اور فلاح و بہبود ہو سکتی ہے۔

(۴) اس اسلوب دعوت کو اختیار کرنا دعوت دینے والے کو گناہ گار اور نافرمان لوگوں کے احوال کی چھان بین اور جستجو سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جو اس کے وقت کے ضیاع کا سبب ہے، یہ خیال بھی رہے کہ گناہ گار لوگوں کے متعلق گفتگو کرنا ان کی شہرت اور معرفت کا باعث بنتا ہے اس طرح داعی نہ چاہتے ہوئے بھی ان لوگوں کے گناہوں میں حصہ دار بن جاتا ہے۔

(۳) جنت میں داخلہ اللہ کی رحمت سے ہوگا

اس قصہ میں اللہ تعالیٰ نے گناہ گار آدمی سے فرمایا: میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جا'' اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں داخل ہونا محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی بنیاد پر ہوگا اور نیک لوگوں کو جنت میں داخل کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہے جیسا کہ معتزلین کا خیال ہے۔

ایک صحیح حدیث سے اس بات کی تائید ہوتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا'' کسی شخص کا عمل اسے ہرگز جنت میں داخل نہ کرے گا''۔ صحابہ نے عرض کیا'' کیا آپ بھی نہیں یارسول اللہ''؟ آپ نے فرمایا:'' میں بھی نہیں البتہ یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل اور رحمت سے ڈھانپ لے''۔[۱]

لیکن اس کے باوجود انسان کے ذمہ اعمال صالحہ کا اہتمام کرنا ضروری ہے تاکہ ان کی وجہ سے وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہو سکے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُونَ﴾

(سورۃ الاعراف: ۱۵۶)

''اور جو میری رحمت ہے وہ ہر چیز کو شامل ہے میں اس کو ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔''

(۴) ملاوٹ کرنا

ملاوٹ کرنے والے شخص اور بندر کا قصہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ

[۱] متفق علیہ

''ایک آدمی شراب کو کشتی میں لاد کر بیچنے کے لئے نکلا، اس کے ساتھ ایک بندر بھی تھا، وہ آدمی جب شراب بیچتا تو اسے پانی میں ملا کر فروخت کرتا، چنانچہ بندر نے اس کا بٹوہ اٹھایا اور اسے لے کر بادبان کے ڈنڈا پر چڑھ گیا اور پھر وہ ایک دینار کو سمندر میں پھینکتا تھا اور ایک دینار کو کشتی میں پھینکتا تھا، یہاں تک کہ انہیں برابر تقسیم کر دیا۔'' [1]

تشریح

یہ قصہ چونکہ سابقہ امتوں میں کسی امت کا ہے، اس میں شراب کے بیچنے کا ذکر ہے، اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ ان کے نزدیک شراب کو بیچنا جائز تھا جبکہ ہماری شریعت میں شراب بالذات حرام ہے اور اس سے نفع اٹھانے کی تمام صورتیں بھی حرام ہیں جیسے بیچنا، علاج کرنا، شراب بنانا اور منتقل کرنا وغیرہ۔ اس کا تفصیلی بیان ان شاء اللہ آگے آ جائے گا۔

﴿فوائد﴾

امانتداری کی فضیلت اور ملاوٹ کا وبال

انسان کے لئے تنہا زندگی گزارنا ممکن نہیں، کوئی انسان معاشرہ سے بے نیاز نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی معاشرہ مختلف افراد کی ذاتی جدوجہد اور ذمہ داریوں سے بے نیاز ہو سکتا ہے۔

مذکورہ اصول کے پیش نظر لوگوں کے باہمی معاملات کا وجود ایک ضروری اور لازمی چیز ہے جسے مصلحت فرد اور معاشرہ کے لئے ضروری خیال کرتی ہے۔

اسی حکمت وضرورت کے تحت اسلام نے لوگوں کے تمام معاملات جیسے خرید و فروخت وغیرہ کا مکمل احاطہ اس انداز میں کیا جس کے ذریعہ لوگوں میں باہمی اعتماد اور تمام

---

[1] اخرجه احمد و البيهقي في شعب الايمان

معاملات میں امانت اور پاکیزگی جیسے اوصاف کو جنم ملے۔

حضور ﷺ کا اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اسلام پر بیعت لیتے وقت معاملات کی صفائی کی نصیحت کرنا اسی قبیل سے ہے کیونکہ آپ ﷺ کے لئے ضروری تھا کہ آپ تمام مسلمانوں کو ان کی تمام معاشی سرگرمیوں میں نصیحت فرمائیں، جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، نماز کا قائم کرنا، زکوۃ کا ادا کرنا، بات کو سننا اور اس کی اطاعت کرنا اور ہر مسلمان کے لئے خیر خواہی چاہنا"۔[1]

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی روایت میں مذکورہ بیعت کے بعد حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کو بیان کرتے ہوئے یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ "حضرت جریرؓ جب بھی کوئی چیز خریدتے یا بیچتے تو فرماتے: "خبردار جو چیز ہم نے آپ سے لی ہے اس چیز سے زیادہ پسند ہے جو ہم نے آپ کو دی ہے لہذا آپ کو اختیار ہے"۔

لوگوں کے باہمی معاملات میں صفائی اور دیانتداری کی نصیحت خرید و فروخت میں منحصر نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی ضرورت ہوگی۔

ابن حجر الہیثمیؒ فرماتے ہیں:

"ہمارے حضرات نے اس بات کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جب اجنبی کسی سامان میں کوئی عیب دیکھے تو اس پر واجب ہے کہ اس کے خریدنے کا ارادہ کرنے والے شخص کو مطلع کردے اگرچہ وہ اس سے سوال نہ کرے، جیسا کہ اس پر یہ بھی واجب ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت کو پیغام نکاح بھجوائے اور اس اجنبی کو مرد یا عورت میں کسی عیب کا علم ہو، یا کسی انسان کو دیکھے کہ وہ دوسرے کے ساتھ کسی معاملہ یا سچائی میں کوئی گڑ بڑ کر رہا ہے یا علم کے پڑھانے میں کج روی اختیار کر رہا ہے اور اس کو ان دونوں میں سے کسی ایک سے متعلق کسی عیب کا علم ہو تو اس پر واجب ہے کہ دوسرے کو مطلع کرے اگرچہ

---

[1] اخرجه الشيخان و ابوداؤد و الترمذی و احمد

اس سے مشورہ نہ لیا جائے۔ یہ سارے کا سارا اس خیر خواہی کو ادا کرتا ہے جس کی ادائگی عوام وخواص مسلمانوں کے حق میں انتہائی ضروری ہے"۔

جب امانتداری کی جگہ بددیانتی اور کھوٹ پھیل جاتا ہے، اعتماد کی جگہ بے اعتمادی اور شک عام ہو جاتا ہے تو مسلمان معاشرہ کا حسین وخوبصورت چہرہ ماند پڑ جاتا ہے اور جاہلانہ رسم و رواج اور طور طریقے زندگی میں رائج ہو جاتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ غلہ کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے، آپ نے اپنا ہاتھ اس میں داخل کیا تو آپ ﷺ کی انگلیاں تر ہو گئیں، آپ نے فرمایا: "اے غلے کے مالک یہ کیا ہے"؟ اس نے عرض کیا "یارسول اللہ اس پر بارش ہو گئی تھی" آپ نے فرمایا: "تو نے اسے غلہ کے اوپر کیوں نہ رکھا تاکہ لوگ اسے دیکھ لیتے؟ جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں"۔[۱]

ملاوٹ کی مختلف صورتیں ہیں، اس کی جامع تعریف یہ ہے کہ سامان وغیرہ کے مالک کو اس میں کسی ایسے عیب کا علم ہو کہ اگر لینے والے کو اس کا پتہ چل جائے تو وہ اس کے لینے سے انکار کر دے یا طے شدہ قیمت میں کمی کا مطالبہ کرے۔

اس قصہ میں نبی اکرم ﷺ نے ملاوٹ کی ایک قسم کو ذکر فرمایا یعنی بے قیمت پانی کو اس چیز کے ساتھ ملانا جس کی قیمت ادا کی گئی ہے اور خریدنے والے کو یہ تاثر دینا کہ یہ دونوں ایک ہی ہیں۔

اس قصہ میں حضور ﷺ نے ملاوٹ اور دھوکہ دہی سے مال بیچنے والے شخص کا انجام بیان کیا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کے مال کو ضائع وہلاک کیا، اس اسلوب میں صراحت کے بجائے ضمنی طور پر اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے اور پڑھنے والا اس کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

---

[۱] رواہ مسلم و الترمذی و ابن ماجہ و احمد

ملاوٹ بے برکتی کا ذریعہ ہے

قرآن مجید کی آیات مبارکہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا رزق پہلے سے لکھا جا چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری پر ہر مخلوق کو اس وقت تک اس کا رزق عطا فرمائیں جب تک اس میں زندگی موجود ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾

(سورۃ ھود: ٦)

''اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق خدا کے ذمے ہے۔''

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ أَنَّكُمْ تَنطِقُونَ﴾

(سورۃ الذاریات: ۲۲، ۲۳)

''اور تمہارا رزق اور جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آسمان میں ہے تو آسمانوں اور زمین کے مالک کی قسم یہ (اسی طرح) قابل یقین ہے جس طرح تم بات کرتے ہو۔''

یہ بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ بعض اوقات انسان دولت مند ہوتا ہے لیکن بے چینی اور بدنصیبی کا شکار ہو جاتا ہے اور بعض مرتبہ کوئی انسان نادار اور تنگدست ہوتا ہے لیکن خوش نصیب اور مطمئن شمار کیا جاتا ہے، اس حقیقت کا راز وہی ہے جو مسلمانوں کے ہاں برکت کے نام سے مشہور ہے۔

ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بعض مرتبہ ایک درہم میں اتنی برکت ڈال دی جاتی ہے کہ وہ دین و دنیا میں

انسان کی سعادت وخوش نصیبی کا باعث بن جاتا ہے اور بعض اوقات لاکھوں درہموں میں سے برکت کو ختم کر دیا جاتا ہے اور وہ اپنے مالک کی ہلاکت کا ذریعہ بن جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ ان سے چھٹکارا کی خواہش کرتا ہے اور اس چھٹکارا کو اپنے بعض احوال کی صلاح ودرستگی خیال کرتا ہے"۔

لہٰذا اصل اعتبار مالداری کے اندر کثرت کا نہیں بلکہ برکت کا ہے، اس کی تائید اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے:

﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ "﴾ (سورۃ البقرۃ:۲۷۶)

"خدا سود کو نابود (بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے۔"

سود کے ساتھ حاصل ہونے والی ظاہری اور سطحی کثرت کا کیا فائدہ؟؟؟ جبکہ برکت اس سے ختم کر دی جاتی ہے اور وہ سارے کا سارا فنا ہو جاتا ہے۔ صدقہ کی وجہ سے ظاہری طور پر تو مال میں کمی واقع ہوتی ہے لیکن اس کی برکت مال کو کم نہیں کرتی بلکہ بڑھا دیتی ہے۔

ذکر کردہ قصہ سے اس مضمون کی تاکید ملتی ہے کہ خرید وفروخت میں ملاوٹ کرنا مال کی برکت اور خیر کو ختم کر دیتا ہے، اس بات کی وضاحت اس بندر کے عمل سے ملتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ملاوٹ کرنے والے شخص کے مال پر مسلط کیا اور اس نے اس کے آدھے مال کو ضائع کر دیا اور آدھے کو باقی رکھا۔

ایک حدیث میں آتا ہے: "خرید وفروخت کرنے والوں کو جدا ہونے سے پہلے اختیار ہے، اگر وہ دونوں سچ بولیں اور کھرا معاملہ کریں تو ان کی بیع میں برکت ڈال دی جاتی ہے اور اگر وہ جھوٹ بولیں اور دھوکہ دہی سے کام لیں تو برکت کو ختم کر دیا جاتا ہے"۔[1]

---

[1] رواہ البخاری و مسلم و ابوداؤد و الترمذی و النسائی والدارمی و احمد

(۲) شراب پینا

ایک شرابی کا عبرت ناک واقعہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے کہ لوگوں کے درمیان سب سے بڑے گناہ کا تذکرہ چلا، لیکن ان میں سے کسی کو اس کا علم نہ تھا، لہٰذا انہوں نے مجھے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا کہ میں ان سے سب سے بڑے گناہ کے متعلق سوال کروں، انہوں نے مجھے بتایا کہ سب سے بڑا گناہ شراب نوشی ہے، میں مجلس میں لوگوں کے پاس واپس آیا اور انہیں اس کے متعلق آگاہ کیا تو انہوں نے اس کا انکار کیا اور فوراً عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ نے ایک آدمی کو پکڑا اور اسے اختیار دیا کہ چاہے تو شراب نوش کرے، چاہے تو کسی بچے کو قتل کرے اور اگر چاہے تو خنزیر کا گوشت کھالے، اور یہ کہ اگر اس نے انکار کیا تو اسے قتل کر دیا جائے گا، اس شخص نے شراب پینے کا فیصلہ کیا اور شراب پینے کے بعد وہ ان گناہوں سے نہ بچ سکا جن کی وہ اس سے چاہت کر رہے تھے''۔[1]

تشریح

مجلس میں بیٹھے ہوئے صحابہ کرام کو سب سے بڑے گناہ کا علم نہ ہونا نہ تو ان کے لئے کوئی عیب کی بات ہے نہ دوسرے لوگوں کے لئے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس موقع پر قرآنی ادب و تعلیم کو ملحوظ

---

[1] ذکرہ الهیثمی و النسائی و البیهقی و الطبرانی و المنذری

ناظر رہتا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاسْأَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

(سورۃ النحل ۴۳)

''اگر تم لوگ نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لو۔''

اس امر کے پیش نظر انہوں نے پہلے توقف کیا اور پھر سوال کیا۔

روایات میں ہمیں ایسے اور بھی بہت سے مواقع ملتے ہیں جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرف سے اس ادب کی رعایت کی گئی، قبیصہ بن ذویب کی روایت میں ہے وہ فرماتے ہیں:

''کسی میت کی دادی یا نانی میراث میں سے اپنا حصہ مانگنے کے لئے حاضر ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے اس سے فرمایا کہ ''میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں تیرے حصہ سے متعلق کوئی حکم نہیں پاتا، تو واپس چلی جا یہاں تک میں لوگوں سے سوال کر لوں''۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب اس مسئلہ کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوال کیا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''ایک مرتبہ کسی میت کی دادی یا نانی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی تو آپ ﷺ نے اسے سدس (چھٹا حصہ) عطا کیا تھا، یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: ''کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے''؟ پس محمد بن مسلمہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی وہی بات فرمائی جو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بیان کی تھی، لہٰذا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے لئے سدس کا فیصلہ کر دیا''۔[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سب سے بڑے گناہ کی معرفت کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے سوال کرنا اور ان کو تمام لوگوں پر ترجیح دینا اس وجہ سے تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ احادیث رسول ﷺ کو لکھنے میں سب سے آگے

[1] اخرجہ ابوداؤد والترمذی ومالک واحمد

تھے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کوئی حدیث میں مجھ سے زیادہ روایت کرنے والا نہیں سوائے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے، کیونکہ وہ لکھا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا''۔[1]

﴿فوائد﴾

(۱) شراب حرام کیوں ہے؟

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع آدم پر طرح طرح کے احسانات و انعامات کی بارش برسائی اور اسے مختلف قسم کی نعمتوں سے نوازا، اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو یوں ظاہر فرمایا:

﴿وَإِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ (سورۃ ابراھیم: ۳۴)

''اور اگر خدا کے احسان گننے لگو تو شمار نہ کرسکو (مگر لوگ نعمتوں کا شکر نہیں کرتے)۔''

یہ نعمتیں اور احسانات انسانی فائدہ کے پیش نظر اہمیت اور ترتیب کے اعتبار سے مختلف اور باہمی تفاوت کی حامل ہیں۔

نیز یہ کہ عقل کی نعمت انسان پر کی گئی تمام نعمتوں میں سب سے بلند اور عظیم الشان نعمت ہے۔

ابوالحسن البصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جان لو کہ ہر فضیلت کی ایک بنیاد ہے اور ہر ادب کا ایک سرچشمہ ہے، فضائل کی بنیاد اور آداب کا سرچشمہ عقل ہے، عقل ہی وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ کے دین کی اصل اور دنیا کا ستون قرار دیا ہے، اس کے کامل ہونے کی صورت میں انسان کو مکلف بنایا گیا اور دنیا کو اسی کے احکامات میں تدبر کرنے والا قرار دیا''۔

ابراہیم بن حسان فرماتے ہیں:

---

[1] رواہ البخاری و الترمذی و احمد

و افضل قسم اللہ للمرء عقلہ   فلیس من الاشیاء شیء یقاربہ
اذا اکمل الرحمن للمرء عقلہ   فقد کملت اخلاقہ و ماربہ

''اللہ تعالیٰ کی تقسیم کردہ نعمتوں میں سب سے افضل چیز انسان کی عقل ہے، باقی تمام اشیاء میں سے کوئی چیز اس کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتی، جب رحمٰن انسان کی عقل کو کامل کر دیتا ہے تو اس کے اخلاق و عادات بھی کمال کو پہنچ جاتے ہیں''۔

عقل کے انہی بلند مراتب اور عظیم شان کی بدولت ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے عقل کی حفاظت وصیانت پر بہت زور دیا اور اسے ان چیزوں میں سے قرار دیا جن کی حفاظت ہر مسلمان پر واجب ہے۔ وہ چیزیں یہ ہیں (۱) دین (۲) نسب (۳) مال (۴) عزت (۵) عقل۔ یہ پانچ چیزیں ''کلیات خمس'' کے نام سے معروف ہیں۔

شراب نوشی ایک ایسا گھناؤنا جرم ہے جس کی وجہ سے انسانی عقل مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے اور قدرت و طاقت کے عناصر اور تصرفات کی قوت ماند پڑ جاتی ہے، پھر شراب نوشی کرنے والا عقل کے فیصلہ پر چلنے والے انسان کے بجائے جانور بن جاتا ہے۔

طب کی مشہور کتاب ''قاموس الطب العملی'' کے مصنف رقمطراز ہیں:

''شراب نوشی اور دوسری منشیات کے مسلسل استعمال کا اعضاء انسانی پر بہت خطرناک اثر ہوتا ہے، سب سے پہلے یہ چیزیں دماغ کے طبقہ علیا کو متاثر کرتی ہیں جو انسان کے غور و فکر اور سوچ و بچار کا مرکز ہے، کسی چیز سے روکنے اور باز رہنے کا حکم بھی یہیں سے صادر ہوتا ہے، جب اس حصہ کو کثرت شراب نوشی سے کمزور اور لاچار کر دیا جاتا ہے تو انسانی عادات و تصرفات میں ضعف آ جاتا ہے اس کی قوت فکر ماند پڑ جاتی ہے اپنے نفس پر اس کا ضبط کمزور ہو جاتا ہے اور اس کی شہوت میں بدرجہا اضافہ ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے یہ انسان جانور بن جاتا ہے''۔

شراب نوشی کی کثرت کے نتیجہ میں جرائم میں اضافہ ہو جاتا ہے، حادثات کی کثرت ہو جاتی ہے، شرابی لوگوں کی زندگی کی خرابی کئی خاندانوں کے اجڑنے کا باعث بن

جاتی ہے، مال کا نقصان اور شرابی کے افعال و کردار اور اس کی فضول بکواس سے انسانیت کی تذلیل بھی شراب نوشی کا نتیجہ ہے، اس کے ساتھ ساتھ مختلف قسم کے امراض کا لاحق ہونا شراب نوشی کا یقینی انجام ہے، یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر بہت طویل گفتگو کی جا سکتی ہے۔

شراب کے انہی نقصان دہ اثرات کو آشکارا کرنے کے لئے حضور ﷺ نے اس حصہ کو بیان کرتے ہوئے اس بات کی وضاحت فرمائی کہ شراب تمام کبیرہ گناہوں کی اصل اور ہر شر کی چابی ہے۔

شراب کے بارے میں یہ حکم لگانا بعید از قیاس نہیں کیونکہ جب عقل تمام فضائل کی بنیاد ہے تو اس کا مفلوج ہو جانا مفہوم مخالف کی بنیاد پر تمام رذائل اور بری صفات کے لاحق ہونے کی چابی ہے۔

اسی حکمت کے پیش نظر اسلام نے شراب سے ایسی دلیل کے ساتھ منع کیا جس میں تاویل یا تردید کا احتمال بھی نہیں، صرف شراب پینے کی حرمت پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ اس کے قریب جانے سے بھی منع کیا گیا خواہ شراب پینے والوں کی ہم نشینی کے طور پر ہو یا اس کی خرید و فروخت کے طور پر ہو یا اس کو لادنے یا تیار کرنے کی صورت میں یا کسی بھی انداز میں ہو..... چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ"﴾(سورۃ المائدہ: ۹۰)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔"

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے قول "فَاجْتَنِبُوْهُ" (شراب سے اجتناب

کرو) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اجتناب مطلق کا تقاضا یہ کہ اس سے کسی بھی قسم کا فائدہ اٹھانے سے اجتناب کرو، نہ اس کو پیو نہ بیچو نہ سرکہ بناؤ نہ بطور دوا کے استعمال کرو اور نہ اس کے علاوہ کسی اور طریقہ پر اس کو استعمال کرو۔

(۲) اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو ان دینی امور کے بارے میں ضرور سوال کر لینا چاہئے جو اس کے لئے الجھ جائیں، ابن شہاب فرماتے ہیں:

''علم خزانے ہیں اور ان کی چابیاں پوچھنا اور سوال کرنا ہے''۔

(۳) اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گناہوں میں بڑا چھوٹا ہونے کے اعتبار سے فرق ہے، ان میں سے بعض گناہ ایسے ہے جو دوسرے گناہوں کے ارتکاب کا ذریعہ بھی بن جاتے ہیں جیسے شراب پینا، اس طرح یہ گناہ اپنے نتیجہ کے اعتبار سے بہت بڑا گناہ بن جاتا ہے۔

مختلف موضوعات پر مشتمل نبوی قصے

(۱) غار والوں کا قصہ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''گذشتہ لوگوں میں سے تین آدمی ایک مرتبہ سفر پر نکلے، رات گزارنے کے لئے انہوں نے ایک غار کا انتخاب کیا اور اس میں داخل ہو گئے، اس اثناء میں پہاڑ سے ایک چٹان گری اور اس نے غار کا منہ بند کر دیا، انہوں نے کہا کہ اس چٹان سے نجات کی ایک ہی صورت ہے کہ اپنے اعمال صالحہ کے واسطہ سے اللہ کی بارگاہ میں دست بدعا ہو جاؤ۔

ان میں سے ایک آدمی نے کہا: ''اے اللہ! میرے بوڑھے والدین تھے، میں ان کے حصہ کا دودھ پلانے میں اہل وعیال اور غلاموں کو ان پر مقدم نہ کرتا تھا، ایک دن مجھے کسی چیز کی تلاش میں بہت دیر ہو گئی جب میں واپس آیا تو وہ سو چکے تھے، میں نے ان کے لئے بکریوں کا دودھ نکالا لیکن انہیں سویا ہوا پایا، مجھے یہ بات ناگوار محسوس ہوئی کہ میں ان کے حصہ کا دودھ اہل وعیال یا غلاموں کو پلا دوں، میں پیالہ ہاتھ میں پکڑ کر ان کے بیدار ہونے کا انتظار کرنے لگا، یہاں تک کہ جب صبح طلوع ہوئی تو وہ دونوں بیدار ہوئے اور انہوں نے اپنے حصہ کا دودھ پی لیا۔

اے اللہ! اگر میں نے یہ عمل تیری رضا کے لئے کیا ہے تو ہمارے لئے اس چٹان کی وجہ سے پیدا ہونے والی مصیبت کو دور کر دے'' اس کی اس دعا کے بعد چٹان تھوڑی سی سرک گئی لیکن وہ اس سے باہر نہ نکل سکتے تھے۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر دوسرا شخص گویا ہوا کہ ''اے اللہ! میری ایک چچا کی بیٹی تھی جو مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب تھی، میں نے اس کو ورغلانا چاہا لیکن اس نے انکار کر

دیا یہاں تک کہ ایک سال گزر گیا، وہ پھر میرے پاس آئی اور میں نے اس کو ایک سو بیس دینار دیئے کہ وہ میرے ساتھ تنہائی اختیار کرے۔ اس نے ایسا ہی کیا لیکن جب میں اس پر قادر ہو گیا تو اس نے کہا: "تیرے لئے حلال نہیں کہ تو مہر کو اس کے حق کے بغیر کھولے"۔ اس کی یہ بات سن کر میں نے اس سے بدکاری کا ارادہ ترک کر دیا اور اس سے پیچھے ہٹ گیا حالانکہ وہ میرے لئے سب سے بڑھ کر محبوب تھی اور میں نے وہ سونا بھی چھوڑ دیا جو اس کو دیا تھا۔

اے اللہ! اگر میں نے یہ عمل تیری رضا کے لئے کیا ہے تو ہم سے اس مصیبت کو دور کر دے"۔ اس کی دعا کے بعد چٹان تھوڑا سا مزید سرک گئی لیکن اب بھی ان کے لئے باہر نکلنا ممکن نہ تھا۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر تیسرا شخص بارگاہ خداوندی میں عرض کرنے لگا: "اے اللہ! میں نے کچھ لوگوں کو مزدوری کے بدلہ کام پر لگایا اور ان سب کی مزدوری ادا کر دی، سوائے ایک آدمی، اس نے اپنی مزدوری چھوڑ دی اور چلا گیا، میں نے اس کی مزدوری کو بڑھایا تو اس میں سے بہت سا مال جمع ہو گیا، وہ کافی عرصہ بعد میرے پاس آیا اور مجھے کہا "اے اللہ کے بندہ میری مزدوری ادا کر دے"۔

میں نے اسے کہا: "جو بکریاں، اونٹ، گائیں اور غلام تو دیکھ رہا ہے سب تیری مزدوری ہے" یہ سن کر اس نے کہا: "اے اللہ کے بندہ میرے ساتھ مذاق نہ کر"۔ میں نے اسے کہا کہ "میں تیرے ساتھ مذاق نہیں کر رہا"۔ لہٰذا وہ تمام مال لے گیا اور اس میں سے کچھ نہ چھوڑا۔

اے اللہ! اگر میں نے یہ عمل تیری رضا کے لئے کیا ہے تو ہم سے اس مصیبت کو دور کر دے"۔ لہٰذا وہ چٹان غار کے دروازہ سے ہٹ گئی اور وہ تینوں چلتے ہوئے باہر نکل آئے"۔[1]

---

[1] اخرجہ البخاری و مسلم و احمد

﴿فوائد﴾

(۱) قصہ کے مجموعی فوائد:

اس قصہ کے مختلف پہلو ہیں اور ہر پہلو سے کوئی نہ کوئی درس، فائدہ اور سبق حاصل ہوتا ہے بعض فوائد تو مجموعی طور پر حاصل ہوتے ہیں اور بعض فوائد اس کی تفصیل میں جانے سے حاصل اور معلوم ہوتے ہیں۔

قصہ سے مجموعی طور پر حاصل ہونے والے اہم فوائد درج ذیل ہیں:

نیک اعمال مصیبت سے چھٹکارے کا ذریعہ ہیں:

انسانی زندگی مصائب و تکالیف اور سختیوں و دشواریوں سے مرکب ہے، سنت الہیہ یہ ہے کہ بندہ کو آسانی و مشکل اور تنگی و کشادگی کے درمیان رکھا جاتا ہے۔

لامتناہی مشکلات اور بے پناہ دشواریوں کے ازالہ میں انسان کسی معین ومددگار کا محتاج ہوتا ہے تاکہ یہ سختیاں اس کو ہلکان نہ کردیں اور یہ مصیبتیں اس کی جان نہ نکال لیں۔ انسان ہرگز اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی حامی و مددگار نہیں پا سکتا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَلِيًّا وَكَفَىٰ بِاللَّهِ نَصِيرًا﴾ (سورۃ النساء: ۴۵)

"اللہ کافی ہے کارساز اور اللہ کافی ہے مددگار۔"

اللہ تعالیٰ نے اس بات کا وعدہ فرمایا ہے کہ اس کی نگہبانی ایمان والوں کے لئے اور اس کی مدد دین کی مدد کرنے والوں کے لئے ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿"اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا"﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۵۷)

"جو لوگ ایمان لائے ان کا دوست خدا ہے۔"

اسی طرح فرمایا:

﴿"وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ"﴾ (سورۃ الحج: ۴۰)

"اور جو شخص خدا کی مدد کرتا ہے خدا اس کی ضرور مدد کرتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی مدد کے حصول کا ذریعہ اس کے دین کی مدد کرنا، دینداری کے راستہ پر ثابت قدم رہنا اور ہر طرح کے حالات میں حکم الٰہی کو لازم پکڑنا ہے، یہ وہ اعمال ہیں جن کی بدولت انسان اللہ کی مدد و نصرت کا مستحق بن جاتا ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے: "خوشحالی میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو وہ تنگی میں تمہیں یاد رکھے گا"۔(۱)

اللہ تعالیٰ اپنے نبی حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾

(سورۃ الصّٰفّٰت:۱۴۲،۱۴۴)

"پھر مچھلی نے ان کو نگل لیا اور وہ (قابل) ملامت (کام) کرنے والے تھے۔ پھر اگر وہ (خدا کی) پاکی بیان نہ کرتے تو اس روز تک کہ لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اسی کے پیٹ میں رہتے۔"

مذکورہ قصہ ہمارے لئے ان لوگوں کی ایک واقعاتی اور حقیقی صورت پیش کرتا ہے جو مصیبت کا شکار ہو گئے اور ان کے پاس اس مصیبت کے ازالہ کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ خوشحالی اور اطمینان کے زمانہ میں کئے گئے اعمال کے واسطے سے اللہ کی پناہ اور مدد کو طلب کریں۔

قصہ کا یہ رخ مندرجہ ذیل حقائق کو آشکارا کرتا ہے:

(۱) کشادگی اور آسانی کے زمانہ میں اللہ کی معرفت وعبادت دشواری اور تنگی کے زمانہ میں راحت کے حصول اور مشکل سے نجات کا ذریعہ ہے۔

(۲) نیک اعمال کا ایک مادی اثر ہے جو نعمتوں کے حصول اور تکالیف سے

---

(۱) رواہ احمد

چھٹکارہ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے کبھی یہ اثر پوشیدہ اور مخفی صورت میں آشکارا ہوتا ہے اور کبھی دکھائی دینے والی صورت میں اس کا اظہار ہوتا ہے دوسری صورت کو کرامت کہا جاتا ہے، قصہ میں مذکور تینوں شخصوں کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا۔

(۳) عمل کی حقیقی قیمت اخلاص کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ جب انہوں نے ریا سے خالی خالص ترین اعمال صالحہ بارگاہ خداوندی میں پیش کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مصیبت کو دور فرما دیا۔

(۴) نیک اعمال کو وسیلہ بنانا

یہ قصہ انسانوں کو اس بات کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ ہر طرح کی تنگیوں اور مصیبتوں میں صرف اللہ کی مدد طلب کرنی چاہئے اور اس قسم کے دشوار حالات میں اپنے اعمال صالحہ کو وسیلہ بنا کر دعا کرنی چاہئے۔

نیک اعمال کو دعاؤں کی قبولیت کا وسیلہ بنانا محتاجی اور انکساری کے اظہار کے منافی نہیں کیونکہ حضور ﷺ نے ان تینوں افراد کو نہ صرف یہ کہ قصہ میں ذکر کیا بلکہ ان کی تعریف بھی فرمائی، آپ ﷺ کا یہ عمل نیک اعمال کو وسیلہ بنانے کے استحباب کی دلیل ہے۔

ان تینوں شخصوں کا یہ کہنا کہ ''اے اللہ اگر میں نے یہ عمل تیری رضا کے لئے کیا ہے تو ہم سے اس مصیبت کو دور کر دے'' اس بات کی دلیل ہے کہ بندہ کا اللہ تعالیٰ سے اپنا وعدہ پورا کرنے کی درخواست کرنا جائز ہے، وہ وعدہ اس آیت کریمہ میں مذکور ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا﴾ (سورۃ الطلاق: ۲)

''اور جو کوئی خدا سے ڈرے گا وہ اس کے لئے (رنج و محن) سے مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا۔''

(ب) قصہ کی تفصیل سے حاصل شدہ فوائد:

ہم نے قصہ کے مجموعی طور پر حاصل ہونے والے دروس کو پہچان لیا، یہ دروس تمام افراد کے درمیان مشترک تھے لیکن ان مذکورہ تین اشخاص کے انفرادی قصوں کی تفصیل ابھی باقی ہے جو ایک ایسا چراغ ہے جو اللہ کے دین پر چلنے والوں کی زندگی کے تمام گوشوں کو روشنی فراہم کرتا ہے، ہر فرد مذکور کے قصہ سے حاصل ہونے والے فوائد کی تلخیص مندرجہ ذیل عبارت میں کی جارہی ہے:

(۱) اطاعتِ والدین کے فضائل:

پہلے آدمی کے قصہ سے والدین کی اطاعت و فرمانبرداری اور دوسرے تمام لوگوں سے انہیں مقدم رکھنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، اس مضمون کی تائید حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے منقول ایک صحیح حدیث سے ہوتی ہے، حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ "میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟" فرمایا: "تیری ماں" عرض کیا، "پھر کون؟" فرمایا: "تیری ماں" عرض کیا، "پھر کون؟" فرمایا، "تیری ماں" عرض کیا، "پھر کون؟" فرمایا، "تیرا باپ"۔[۱]

مذکورہ قصہ میں اس شخص کے بوڑھے والدین کا تذکرہ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑھاپے کی حالت میں والدین کی خدمت کرنے کی فضیلت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اسی وجہ سے آیت قرآنی صراحت کے ساتھ اس مضمون کو بیان کررہی ہے:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا﴾ (سورۃ الاسراء: ۲۳)

"اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی

---

[۱] اخرجه الشیخان و ابن ماجه و احمد

عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو ان میں سے
ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک
نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا اور ان سے بات ادب کے ساتھ کرنا۔''

اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس فضیلت کا اہتمام کرنا انسان کو مستجاب الدعوات بنا دیتا ہے، اس کی دعاؤں کا قبول ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شخص کا اونچا مقام و مرتبہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿''اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ''﴾ (سورۃ المائدۃ: ۲۷)

''خدا پرہیز گاروں ہی کی (نیاز) قبول فرمایا کرتا ہے۔''

(۲) عفت و پاکدامنی کی فضیلت

اس قصہ سے عفت و پاکدامنی اور حرام سے بچنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے خاص طور پر برائی کی قدرت کی حالت میں اسے چھوڑنے پر اس کا اجر اور بھی بڑھ جاتا ہے۔

قصہ میں مذکور دوسرا شخص عورت کے ساتھ معصیت کے مقدمات و معاملات میں شریک ہوا اور جب اس کے پاس برائی کے ارادہ سے بدکاری کی تیاری کر کے بیٹھ گیا پھر اللہ کا خوف اس پر طاری ہوا اور وہ اس کے پاس سے اٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو قبول کیا اور اس کو مصیبت سے نجات عطا فرمائی۔ یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ توبہ گناہوں کی صفائی کا ذریعہ بن جاتی ہے اور یہ کہ گناہ کا چھوڑنا اس کے مقدمات کے وبال کو بھی مٹا دیتا ہے بلکہ حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی گناہ کو اللہ کے لئے چھوڑنا بہت بڑے اجر کے حصول کا ذریعہ بن جاتا ہے، ایک صحیح حدیث میں آتا ہے کہ ''جو شخص گناہ کا ارادہ کرے اور پھر اس سے باز رہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنی طرف سے ایک کامل نیکی کا ثواب لکھ دیتے ہیں''۔[۱]

---

[۱] اخرجه الشيخان و الترمذی و احمد

عورت کا مجبوری اور ناداری کی حالت میں اس شخص کے ساتھ برائی پر آمادہ ہونا فقر و ناداری کی برائی اور خرابی کی علامت ہے۔ (اس کی تقریر "کفل اور مجبور عورت" کے قصہ میں گزر چکی ہے۔)

عورت کا اس شخص سے کہنا کہ "مہر کو اس کے حق کے بغیر نہ کھول" بغیر نکاح کے حرام صحبت سے کنایہ ہے، اس قسم کی گفتگو میں عفیف اور عمدہ الفاظ کے استعمال کی ایک بہترین مثال پیش کی گئی ہے۔ (اس کی تقریر بھی "کفل" کے قصہ میں گزر چکی ہے)۔

(۳) امانتداری اور حسن معاملگی کی فضیلت

تیسرے آدمی کے قصہ سے امانت، حسن معاملگی اور وعدہ پورا کرنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، اس آدمی کا مزدور کے مال میں تجارت کرنا اور اس سے فوائد کا حصول اس بات کی دلیل ہے کہ انسان غیر کے مال سے خرید و فروخت اور اس میں تصرف کر سکتا ہے اگر مالک بعد میں اس کی اجازت دے دے اور اس سے راضی ہو جائے، اسی وجہ سے امام بخاریؒ نے ایک جگہ اس قصہ کو ذکر کرتے ہوئے یہ باب باندھا ہے کہ "اس شخص کا بیان جو کسی کے لئے اس کی اجازت کے بغیر کوئی چیز خریدے اور وہ راضی ہو جائے"۔

(۲) ﴿گود میں تکلم کرنے والے بچوں کا قصہ﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ گود میں صرف تین بچوں نے گفتگو کی (۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام (۲) بنی اسرائیل میں ایک آدمی تھا جس کا نام "جریج" تھا، وہ نماز پڑھا کرتا تھا، ایک مرتبہ اس کی ماں نے اسے آواز دی، اس نے سوچا "میں ماں کی بات سنوں یا نماز پڑھوں؟" (جب وہ اپنی ماں کی طرف متوجہ نہ ہوا تو) اس کی ماں نے کہا: "اے اللہ! اسے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک تو اسے بدکار عورتوں کے چہرے نہ دکھا دے"۔ جریج ایک مرتبہ اپنی کوٹھڑی میں تھا کہ اچانک ایک عورت اس کے پاس آئی اور اس سے گفتگو کرنے لگی...... لیکن جریج نے (اس

کی خواہش پوری کرنے سے) انکار کردیا۔ پھر وہ عورت ایک چرواہے کے پاس گئی اور اس کو اپنے اوپر قدرت دی (پھر وہ اس بدفعلی سے حاملہ ہوئی) اور ایک لڑکے کو جنم دیا، (لوگوں نے پوچھا کہ یہ لڑکا کس کا ہے؟) اس عورت نے کہا، ''جریج کا'' لوگ جریج کے پاس آئے اور اس کی کوٹھڑی کو گرادیا، جریج کو نیچے اتارا اور اسے گالیاں دینے لگے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر جریج نے وضو کیا، نماز پڑھی پھر اس بچے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا: ''اے لڑکے تیرا باپ کون ہے؟'' بچے نے جواب دیا ''چرواہا''۔

لوگوں نے (معذرت کے ساتھ) جریج نے کہا: ''ہم آپ کی کوٹھڑی کو سونے کا بنادیتے ہیں؟'' جریج نے جواب دیا: ''نہیں یہ مٹی کا ہی ٹھیک ہے''۔

(۳) بنی اسرائیل کی ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی کہ اس کے پاس سے ایک شاندار شاہسوار گزرا، اس عورت نے دعا کی: ''اے اللہ میرے بیٹے کو اس جیسا بنا دے''۔ بچے نے ماں کے پستان کو چھوڑا اور سوار کی طرف متوجہ ہو کر کہا ''اے اللہ مجھے اس جیسا نہ بنانا'' پھر ماں کے پستان سے دودھ پینے لگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں گویا رسول اللہ ﷺ کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ اپنی انگلی چوس رہے ہیں۔

پھر وہاں سے ایک باندی گزری تو بچے کی ماں نے کہا: ''اے اللہ میرے بیٹے کو اس جیسا نہ بنانا''۔ بچے نے ماں کے پستان کو چھوڑا اور کہا: ''اے اللہ مجھے اس جیسا بنانا''۔ اس کی ماں نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ ''وہ سوار ایک انتہائی ظالم شخص تھا اور یہ باندی جس کے بارے میں لوگ کہہ رہے ہیں کہ اس نے چوری اور بدکاری کی ہے، اس نے کچھ نہیں کیا''۔[1]

مجموعی فوائد:

جیسے گذشتہ قصہ میں بعض فوائد مجموعی تھے اور بعض اس کی تفصیل سے حاصل

---

[1] اخرجه البخاری و مسلم و احمد

ہوتے تھے بالکل اسی طرح اس قصہ میں بھی ہے، کیونکہ دونوں قصوں میں ایک مشابہت ہے وہ یہ کہ ان دونوں میں سے ہر قصہ مختلف موضوعات پر مشتمل ہے جنہیں ایک رابطہ جمع کرتا ہے، نیز قصہ میں مذکور ہر شخص کا ایک قصہ ہے جو مختلف فوائد کا حامل ہے۔

اس قصہ سے حاصل ہونے والے مجموعی فوائد درج ذیل ہیں:

(۱) معجزہ اور کرامت کی حقیقت وثبوت

اس قصہ میں ایک خلاف عادت اور غیر معمولی چیز کو بیان کیا گیا یعنی بچوں کا گود میں گفتگو کرنا۔ ان تین بچوں میں سے ایک تو نبی تھے اور دوسرے دو نبی نہیں تھے۔

ان واقعات کی صورت کے ایک ہونے کے باوجود علماء نے ان کے درمیان فرق کیا ہے اور پہلے کا نام ''معجزہ'' اور دوسرے دونوں کا نام ''کرامت'' رکھا ہے۔

بچوں کا گود میں یعنی انتہائی کم سنی کی حالت میں گفتگو کرنا انسانوں کے لئے اجنبی معاملہ ہے، یہ معمول کی بات نہیں بلکہ معمول کی بات تو یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کے ابتدائی حصہ میں ایسا کم سن بچہ ہوتا ہے جو گویائی پر قدرت نہیں رکھتا اور کافی عرصے کے بعد اس میں بولنے کی طاقت پیدا ہوئی، اس دوران اس کی زبان کے پٹھے نشوونما پاتے ہیں اور کلمات کے چناؤ اور انکے باہمی فرق کا ملکہ اس میں پیدا ہو جاتا ہے پھر اس کے دانت نکل آتے ہیں جو کلام تیار کرنے میں اس کی مدد کرتے ہیں۔

یہ تمام درجات واحوال جو ہر انسان کی زندگی کا حصہ ہیں انہیں زیادہ سے زیادہ ایک عادت ہی کہا جا سکتا ہے، نیز یہ کہ ان اسباب کی تاثیر مسببات کے اندر ذاتی نہیں بلکہ ان کا باہمی تعلق محض اقتران کا ہے جسے انسان نے مشاہدہ کیا اور اسی تعلق پر اپنے مشاہدات اور احکام کی بنیاد رکھی۔ اس اقتران کا حقیقی راز تو اللہ وحدہ کے قبضہ میں ہے جو اوامر ونواہی اور مشیت وفعل کا مالک ہے۔

جب حقیقت یہی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ وہ اسباب اور مسببات

کے درمیان موجود اقتران کو ختم کر دے جو انسان کے ذہن میں بیٹھا ہوا ہے اور اللہ کے حکم سے ایسے واقعات رونما ہوں جو خلاف عقل، غیر معمولی اور عام روش سے ہٹ کر ہوں۔

ایسے واقعات اگر نبی کے لئے رونما ہوں تو انہیں ''معجزہ'' کہا جائے گا اور اگر ان کا ظہور کسی ولی کے لئے ہو تو انہیں ''کرامت'' کہا جائے گا۔

اس بحث سے ان لوگوں کی فکری غلطی واضح اور آشکارا ہو جاتی ہے جو خلاف عقل امور کو اپنی عقلی بحث کے دسترخوان پر رکھتے ہیں اور خلاف قیاس اور باطل تاویلات کے ذریعہ انہیں ان کے صریح معنی سے نکالنے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں یا اس چیز کے انکار کی طرف مائل ہوتے ہیں جو ان کی عقل میں نہ آئیں یا ان کی حس اور بحث کے دائرہ سے خارج ہوں، نیز وہ یہ گمان بھی کرتے ہیں کہ یہ علم کی منطق اور سنن طبعیہ کا تقاضا ہے۔

یہ باطل مذہب قدیم زمانہ میں فرقہ معتزلہ نے اختیار کیا، ان کی تردید میں امام نوویؒ فرماتے ہیں:

''اور ان میں سے ایک چیز اولیاء کے لئے کرامات کا ثابت کرنا ہے، یہ اہل سنت کا مذہب ہے جبکہ معتزلہ ان کا انکار کرتے ہیں...... اس ضمن میں یاد رہے کہ کرامات ہر طرح کے خلاف عقل فعل کو کہتے ہیں، بعض لوگ اس کا بھی انکار کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ کرامات کی حقیقت دعاؤں کی قبولیت وغیرہ کے ساتھ خاص ہے، حالانکہ یہ ایک غلط نظریہ ہے اور حسی چیز کا انکار ہے، درست بات یہ ہے کہ کرامات کا اطلاق موجودہ اشیاء کو بدلنے اور کسی چیز کو عدم سے وجود عطا کرنے پر ہوتا ہے''۔

زمانہ موجودہ کے بعض ہم عصر مصنفین بھی اسی عقیدہ کے قائل ہیں، یہ وہ لوگ جو یورپ میں رونما ہونے والی سائنسی ترقی سے متاثر ہوئے، یہ ترقی دین اور اس کے حقائق، عالم غیب اور اس کے عوامل کا انکار کرنے کا داعیہ پیدا کرتی ہے اور غیر محسوس چیز پر ایمان نہ لانے کی ترغیب کی حامل ہے۔

یاد رہے کہ اس قسم کے خلاف عادت امور کو معجزہ یا غیر معمولی قرار دینا صرف

اس وجہ سے ہے کہ یہ انسانی عادات اور انسانی ذہن کے اعتبار سے غیر معمولی اور عاجز کرنے والے ہیں ورنہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے لئے غیر معمولی، مشکل یا معجز نہیں، اسی حقیقت کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا:

﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾

(سورۂ یس: ۸۲)

''اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔''

داعی کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے پیش نظر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو اس انداز میں رکھے جیسے امت کے اسلاف صالحین نے اسے سمجھا اور گمراہی سے مامون رہے اور لغزش سے اجتناب کرے۔

قصہ کی تفصیل سے حاصل شدہ فوائد:

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا تذکرہ اور گود میں ان کے کلام کا معجزہ ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کی فضیلت کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قوت گویائی اس لئے عطا فرمائی تھی کہ وہ مریم علیہا السلام کی پاکدامنی اور بے گناہی کی گواہی دیں۔

حضور ﷺ نے عیسیٰ علیہ السلام کو گود میں گفتگو کرنے والے بچوں میں ذکر کیا باوجود اس کے کہ قرآن مجید کی صریح آیت سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی ان کا معجزہ ہے۔ اس سے یہود و نصاریٰ کی تردید ہو جاتی ہے کیونکہ وہ اس واقعہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ قرار نہیں دیتے۔

اس معجزہ کے مشہور اور غیر مخفی ہونے کی وجہ سے حضور ﷺ نے اس قصہ کی تفصیل میں جائے بغیر محض ان کے نام پر اکتفاء فرمایا اور دوسرے بچوں کے قصوں کی

طرف متوجہ ہوئے، لہٰذا اس قصہ میں مذکور ہر فرد کے واقعہ سے حاصل شدہ فوائد قلت و کثرت کے اعتبار سے مختلف ہیں۔

﴿قصہ جریج سے حاصل شدہ فوائد﴾

(۱) والدین کے حقوق و آداب:

اس قصہ سے ماں کے حق کی عظمت اور اس کی پکار کا جواب دینے کا لزوم معلوم ہوتا ہے نیز اس بات کی تاکید بھی ملتی ہے کہ یہ ایک ایسا واجب ہے جو اللہ کی رضا کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

جریج کے نماز میں مشغول ہونے کے باوجود اس کی ماں کی بدعا کا قبول ہونا اس بات کی علامت ہے کہ ماں کی بات سننا واجب ہے اور اس کی بات کا جواب دینا اپنی اہمیت میں بعض عبادات سے بڑھ کر ہے جیسے نفل نماز وغیرہ۔

فقہاء نے اس نکتہ پر غور و فکر کیا ہے کہ جب کوئی انسان نماز میں مصروف ہو اور والدین میں سے کوئی ایک اسے بلائے تو کیا ان کی پکار کا جواب دے یا نماز میں مشغول رہے؟

شوافع کے نزدیک اگر نماز نفل ہو اور اس کو یقین ہو کہ جواب نہ دینے کی صورت میں والدین کو تکلیف ہوگی تو جواب دینا ضروری اور واجب ہے، اگر ایسی صورت نہ ہو تو واجب نہیں اور اگر نماز فرض ہو اور وقت تنگ ہو تو ان کی پکار کا جواب دینا واجب نہیں اور اگر وقت تنگ نہ ہو تو امام الحرمین کے نزدیک واجب نہیں جبکہ دوسرے حضرات کے نزدیک واجب ہے کیونکہ نماز شروع کرنے سے لازم ہوگئی۔

مالکیہ کے نزدیک نفل نماز میں والدین کی بات کا جواب دینا نماز میں مشغول رہنے سے افضل ہے۔ قاضی ابو ولید نے نقل کیا ہے کہ یہ حکم والدہ کے ساتھ خاص ہے والد

کا یہ حکم نہیں۔

شوافع اس مسئلے میں ایک اور نکتہ نظر اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جریج کی والدہ کا بددعا کرنا اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے جریج کو آواز دی اور جریج کے جواب نہ دینے پر انہیں تکلیف ہوئی، جیسا کہ بعض احادیث میں صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اگر یہ مشقت نہ ہوتی تو نقصان دضرر ختم ہو جاتا جس کے نتیجہ میں بددعا بھی نہ ملتی۔ بہرحال فرض نماز تو شروع کر دینے سے ہی واجب ہو جاتی ہے اگرچہ اسے مختصر کر کے والدین کی بات سنی جا سکتی ہے۔ ایسا کرنے میں حضور ﷺ کی اتباع بھی ہے کہ آپ ﷺ نماز میں بچہ کے رونے کی آواز کو سن کر نماز کو مختصر فرما دیتے تھے تا کہ اس کی ماں کو تکلیف نہ ہو"۔[1]

(۲) مصیبت میں اللہ کی طرف متوجہ ہونا:

جب جریج پر تہمت لگی تو اس نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مومن شخص کو ہر تنگی اور مصیبت میں اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے، اس رجوع کی فضیلت واہمیت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب اسے عملی صورت میں یعنی وضو اور نماز کی صورت میں پیش کیا جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کی معیت اور نصرت کا حقیقی استحضار اللہ کی طرف یکسو ہو کر متوجہ ہونے سے ہی ہو سکتا ہے، اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتے ہیں:

﴿"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ"﴾ (سورة البقرة: ۱۵۳)

"اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لیا کرو بیشک خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

---

[1] رواه البخاری و ابو داؤد و ابن ماجه و احمد

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "جب رسول اللہ ﷺ کو کوئی سخت امر پیش آتا تھا تو فوراً نماز کی طرف متوجہ ہوتے تھے"۔[1]

اصحاب دعوت اس ادب کے بہت زیادہ محتاج ہیں تا کہ انہیں اللہ کی مدد و توفیق سے ایسی قوت حاصل ہو جائے جو حوصلہ شکن حالات میں ثابت قدمی اور بلند ہمتی عطا کرے۔

اس قصہ میں اس امر کی بھی دلیل ہے کہ یہ امور (یعنی وضو اور نماز وغیرہ) امت محمدیہ اسلامیہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ قدیم شعائر ہیں۔ البتہ اس امت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اعضائے وضو قیامت کے دن روشن اور چمکدار ہوں گے۔

(۳) اولیاء اللہ کی غیبی مدد و نصرت

جریج کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے لئے سختی اور تنگی کے حالات میں راستہ پیدا کر دیتا ہے، چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ (سورۃ الطلاق: ۲۔۳)

"اور جو کوئی خدا سے ڈرے گا وہ اس کے لئے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا۔ اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔"

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ بیشتر اوقات اپنے اولیاء کے لئے سختی کے حالات میں آسانیاں پیدا کر دیتا ہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اس کے احوال باطنہ میں اضافہ اور ان کی تربیت کے لئے ان کی سختیوں کو برقرار رکھتا ہے لہٰذا یہ بھی لطف و کرم سے خالی نہیں"۔

---

[1] اخرجہ احمد

قصہ سوم کے فوائد:

(۱) گود میں گفتگو کرنے والے تیسرے بچے کے قصہ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا داروں کے دل ظاہر کو دیکھ کر فیصلہ کرتے ہیں جبکہ اہل حقیقت کے دل جمال ظاہر کے ساتھ ساتھ باطنی حسن کو بھی مدنظر رکھتے ہیں۔

قارون اور اس کی قوم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا مندرجہ ذیل قول بھی اسی کی نظیر ہے:

﴿فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا اُوْتِيَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ (سورۃ القصص: ۷۹۔ ۸۰)

''تو (ایک روز) قارون (بڑی) آرائش (اور ٹھاٹھ) سے اپنی قوم کے سامنے نکلا جو لوگ دنیا کی زندگی کے طالب تھے کہنے لگے کہ جیسا (مال ومتاع) قارون کو ملا ہے کاش (ایسا ہی) ہمیں بھی ملے وہ تو بڑا ہی صاحب نصیب ہے اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہنے لگے تم پر افسوس، مومنوں اور نیکو کاروں کے لئے (جو) ثواب خدا (کے ہاں تیار ہے وہ) کہیں بہتر ہے۔''

مومن کا اس امر کو جان لینا اسے اللہ کے فیصلہ سے راضی رہنے والا بنا دیتا ہے اگرچہ اس کا اظہار مومن کی ناگوار صورت میں ہی کیوں نہ ہو، حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۱۶)

''اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے لئے مضر ہو

اور (ان باتوں کو) خدا ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

(ب) تیسرے قصہ میں عورت کا خود کو نظر انداز کر کے اپنے بچے کے لئے دعا مانگنا اس بات کی دلیل ہے کہ والدین طبعی طور پر اپنی اولاد کو ہر چیز پر مقدم رکھتے ہیں خواہ مقابلہ میں ان کی اپنی جان ہی کیوں نہ ہو۔

(ج) بچہ کا مظلوم باندی جیسا ہونے کی تمنا کرنا اور حسین وجمیل ظالم شخص جیسا ہونے سے پناہ مانگنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کے نزدیک لوگوں میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ تقویٰ والا ہے، نیز یہ کہ اللہ کی نظر میں انسان کے نیک اعمال کا اعتبار ہے دنیاوی مراتب ودرجات کا اعتبار نہیں۔

﴿انبیاء سابقین کے متعلق نبوی قصے﴾

تمہید:

سنت نبویہ ﷺ بعض انبیاء و رسل کے کچھ قصوں پر مشتمل ہے، ان قصوں سے مقصود یوں تو بہت سی چیزوں کو بیان کرنا ہے لیکن ان میں سے اہم ترین امور مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حضور ﷺ کی رسالت کی سچائی کی دلیل پیش کرنا۔ کیونکہ انبیاء سابقین کے واقعات تو سیکھ کر ہی حاصل ہو سکتے ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے نہ تو ان کے لئے کسی کی ہم نشینی اختیار کی اور نہ کسی سے سیکھا، جب مخلوق سے ان واقعات کے حصول کا تعلق ختم ہو گیا تو یہ بات ظاہر ہوئی کہ یہ واقعات اللہ تعالیٰ سے حاصل کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْ مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ بَلْ هُوَ اٰيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَا اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ"﴾ (سورۃ العنکبوت: ۴۸، ۴۹)

''اور تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہی اسے اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے ایسا ہوتا تو اہل باطل ضرور شک کرتے۔ بلکہ یہ روشن آیتیں ہیں جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے ان کے سینوں میں (محفوظ) اور ہماری آیتوں سے صرف وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو بے انصاف ہیں۔''

اس مقصد کا عملی اظہار حضور ﷺ کے طائف کے سفر میں ہوا جب حضور ﷺ کی ملاقات عداس نامی عیسائی غلام سے ہوئی جو عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کی

ملکیت میں تھا، حضور ﷺ نے اس سے اس کے دین اور ملک کے بارے میں دریافت کیا تو عداس نے بتایا کہ وہ نینوی عیسائی ہے، اس کی یہ بات سن کر حضور ﷺ نے فرمایا ''پھر تو آپ نیک آدمی یونس بن متی کے علاقہ سے تعلق رکھنے والے ہیں؟'' عداس نے عرض کیا، ''آپ کو کیا معلوم کہ یونس بن متی کون ہے؟'' حضور ﷺ نے فرمایا: ''وہ میرے بھائی ہیں وہ نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں''۔(۱)

(۲) ان قصوں کا دوسرا بڑا فائدہ اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ تمام انبیاء کا پیغام ایک ہے اور تمام انبیاء کے درمیان اخوت کا رشتہ ہے، پہلے آنے والے انبیاء نے آمد رسول ﷺ کی بشارت دی اور حضور ﷺ نے سابقہ انبیاء کے حالات کو بیان فرمایا جو اس بات کی علامت ہے کہ سب کا مقصود ایک ہے اگرچہ ان کی شریعتیں اور طرز عمل مختلف رہے۔ ایک صحیح حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ ''انبیاء ایک دوسرے کے علاتی بھائی ہیں ان کی مائیں مختلف جبکہ دین سب کا ایک ہے''۔(۱)

انبیاء سے متعلق وارد شدہ احادیث مبارکہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں صرف بعض انبیاء کے مختصر حالات کو بیان کیا گیا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں ان انبیاء کے قصوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، لہذا یہ بات دعوت کے عمدہ اسلوب کے خلاف ہوتی کہ آپ ﷺ بھی ان واقعات کو بیان فرماتے جنہیں قرآن نے جگہ دی ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان انبیاء کی زندگی کے دوسرے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور ان میں اکثر وہ پہلو تھے جنہیں قرآن نے بیان نہیں کیا اور بعض ایسے تھے جنہیں قرآن نے اختصار کے ساتھ بیان کیا تھا لہذا حدیث میں ان کی تفصیل کا احاطہ کیا گیا جیسے حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کا قصہ۔

یہ بات ہم نے پہلے ہی واضح کر دی ہے کہ ہم اس کتاب میں نبوی قصوں کے

---

۱ اخرجہ الشیخان و احمد

چند نمونوں کو بیان کر رہے ہیں لہذا یہاں بھی ہم بعض انبیاء کے بعض حالات کو جگہ دے سکیں گے۔

واللہ تعالیٰ من وراء القصد وھو حسبنا و نعم الوکیل

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ کے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوائے تین باتوں کے کبھی جھوٹ نہیں بولا، ان میں سے دو اللہ کی ذات میں تھے، ایک ان کا یہ کہنا "اِنِّی سَقِیْمٌ" (میں بیمار ہوں) اور دوسرا ان کا کہنا "بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا" (یہ عمل اس سب سے بڑے بت نے کیا ہے) اور تیسرا جھوٹ حضرت سارہ علیہا السلام کے بارے میں تھا۔ ہوا کچھ یوں کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک ظالم بادشاہ کی سرزمین میں آئے اور ان کے ساتھ حضرت سارہ علیہا السلام بھی تھیں، حضرت سارہ علیہا السلام انتہائی خوبصورت خاتون تھیں۔ وہاں پہنچ کر حضرت ابراہیم نے حضرت سارہ علیہا السلام سے کہا: "اگر اس ظالم کو معلوم ہو گیا کہ تو میری بیوی ہے تو یہ تیری وجہ سے مجھے نقصان پہنچائے گا، اگر وہ تجھ سے پوچھے تو اسے کہنا کہ تو میری بہن ہے اور ویسے بھی تو میری اسلامی بہن ہے کیونکہ میرے علم میں روئے زمین ہم دونوں کے سوا کوئی مسلمان نہیں"۔ جب وہ اس بادشاہ کی سرزمین میں داخل ہوئے تو بادشاہ کے ایک آدمی نے حضرت سارہ علیہا السلام کو دیکھا اور آ کر بادشاہ سے کہا کہ "تیری مملکت میں ایک ایسی عورت آئی ہے جو تیرے سوا کسی کے لئے مناسب نہیں"۔ بادشاہ نے اپنا آدمی بھیج کر حضرت سارہ علیہا السلام کو بلوایا، جونہی انہیں بادشاہ کے پاس لایا گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، جب حضرت سارہ علیہا السلام بادشاہ کے پاس پہنچیں تو وہ ان کی طرف ہاتھ بڑھانے لگا تو (اللہ کی طرف سے) اس کے ہاتھ کو سختی سے روک دیا گیا، اس نے حضرت سارہ علیہا السلام سے

کہا: "اللہ سے دعا کرو کہ وہ میرے ہاتھ کو چھوڑ دے، میں آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچاؤں گا" حضرت سارہ نے یونہی کیا لیکن وہ دوبارہ ہاتھ بڑھانے لگا تو پہلے سے زیادہ سختی کے ساتھ اس کے ہاتھ کو روک دیا گیا، اس نے پھر دعا کی درخواست کی، حضرت سارہ نے بھی اس کے لئے دعا کی لیکن اس نے پھر ہاتھ بڑھایا لیکن پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ اس کے ہاتھ کو روک دیا گیا، اس نے پھر کہا "اللہ سے دعا کرو کہ وہ میرے ہاتھ کو چھوڑ دے میں آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچاؤں گا"۔ حضرت سارہ نے ایسے ہی کیا اور اس کا ہاتھ چھوڑ دیا گیا، پھر بادشاہ نے اس شخص کو بلایا جو حضرت سارہ کو لایا تھا اور اسے کہا: "تو میرے پاس انسان کو نہیں بلکہ شیطان کو لایا ہے، اسے میری سلطنت سے نکال دے"۔ حضرت سارہ علیہا السلام چلتی ہوئی آئیں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں دیکھا تو پوچھا "کیا ہوا؟" حضرت سارہ نے جواب دیا: "خیریت ہے، اللہ تعالیٰ نے فاجر کو روک دیا اور ایک خادمہ (حضرت ہاجرہ) عطا کر دی"۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: "اے عرب کے لوگو! یہی تمہاری ماں ہے"۔[۱]

تشریح:

اس قصہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف جھوٹ کی نسبت کی گئی حالانکہ یہ نسبت انبیاء کی عصمت کے منافی ہے جبکہ انبیاء کا معصوم ہونا ضروری ہے۔

ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"عقل اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جھوٹ کا اطلاق کیا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل کا قطعی فیصلہ ہے کہ نبی ایک انتہائی قابل اعتماد شخص ہونا چاہئے، تاکہ حاصل کردہ احکامات میں اس کی سچائی معلوم ہو جائے، جبکہ اگر نبی کے بارے میں جھوٹ بولنے کو ممکن قرار دے دیا جائے تو اعتماد ختم ہو جاتا ہے اور اگر جھوٹ کا وجود بھی تسلیم کر لیا جائے تو نوبت کہاں پہنچتی ہے؟"

۱۔ اخرجہ مسلم و اللفظ لہٗ و البخاری و الترمذی و احمد

اسی بناء پر علماء نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تینوں اقوال کی ایسی تاویل کی ہے جو انہیں جھوٹ کے دائرہ سے نکال دیتی ہے۔

(۱) حضرت ابراہیم کا یہ کہنا کہ ﴿بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هٰذَا فَاسْأَلُوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ﴾

"بلکہ یہ اُن کے بڑے (بت) نے کیا (ہوگا) اگر یہ بولتے ہوں تو ان سے پوچھ لو"۔

اس سے مراد توبیخ اور ان کے اس باطل عقیدہ کو تہس نہس کرنا ہے کہ بت نفع نقصان دیتے ہیں۔

اس مذکورہ قول کی نظیر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ﴾ (سورۃ الدخان: ۴۹)

"(اب) مزہ چکھ تو بڑی عزت والا (اور) سردار ہے۔"

حالانکہ یہ کلام ایک ایسے شخص سے ہو رہا ہے جو سراپا ذلت ورسوائی سے جہنم کا عذاب بھگت رہا ہے، لہٰذا یہاں بھی مقصود ایسے شخص کو زجر وتوبیخ اور ملامت کرنا ہے۔

(۲) حضرت سارہ علیہا السلام کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ کہنا کہ "تو میری بہن ہے" درحقیقت جھوٹ نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلامی بہن مراد لی تھی جیسا کہ صراحۃً موجود ہے۔ اس اخوت کا اسلام نے اعتبار کیا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

﴿"إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ"﴾ (سورۃ الحجرات: ۱۰)

"مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

اس بنیاد پر سارہ علیہا السلام کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہن ہونا شرعاً ثابت ہوا۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ کہنا کہ "إِنِّي سَقِيمٌ" (میں بیمار ہوں)۔

اس قول کو معنوی بیماری پر محمول کیا جائے گا یعنی ان کے کرتوتوں کی وجہ سے حالت سقم میں ہیں۔ یہ اس لفظ کے مجازی معانی میں سے ایک معنیٰ ہے جو وضاحت اور ترکیب کلام کے موافق ہے۔

مذکورہ بحث کے بعد ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ تینوں اقوال جھوٹ کے زمرہ میں نہیں آتے تو ان پر (حدیث میں) جھوٹ کا اطلاق کیوں کیا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کلام کی دو نسبتیں ہیں 1- متکلم کی نسبت 2- مخاطب کی نسبت۔ جب کوئی شخص گفتگو کرے اور مخاطب اس کی بات کا کوئی ایسا مطلب سمجھے جو متکلم کا مقصود نہ ہو تو اس اعتبار سے اس بات کو جھوٹ کہا جائے گا اگرچہ متکلم اپنی مراد کے اعتبار سے سچا ہی کیوں نہ ہو۔

﴿فوائد﴾

جھوٹ کی حقیقت واحکام

اس قصہ کی روشنی میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جھوٹ اگرچہ اصل کے اعتبار سے حرام ہے لیکن بعض احوال میں نہ صرف جائز بلکہ چند ضروری مقاصد کے تحت واجب بھی ہو جاتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''کلام مقاصد تک رسائی کا وسیلہ ہے، پس ہر وہ مقصود جو عمدہ اور قابل تعریف ہو اگر اس تک جھوٹ اور سچ دونوں کے ذریعہ پہنچنا ممکن ہو تو اس میں جھوٹ حرام ہے۔ اگر اس تک صرف جھوٹ کے ذریعہ پہنچنا ہی ممکن ہو تو اس میں جھوٹ مباح ہے اگر مقصود کا حصول مباح ہو اور اگر اس مقصود کا حصول واجب ہو تو جھوٹ بولنا بھی واجب ہوگا، جیسے کہ مسلمان کی جان کی حفاظت واجب ہے اگر سچ بول کر کسی ایسے مسلمان کی خونریزی ہوتی

ہو جو کسی ظالم سے چھپا ہوا تھا تو ایسی صورت میں جھوٹ بولنا واجب ہے اور جب بھی جنگی مقصود کا حصول، باہمی صلح وصفائی، ستم زدہ شخص کا علاج جھوٹ کے بغیر ممکن نہ ہو تو جھوٹ بولنا مباح ہے مگر یہ ضروری ہے کہ ہر ممکن حد تک اس سے احتراز کیا جائے اس لئے کہ یہ اپنے نفس کے لئے گناہ کا دروازہ کھولنا ہے جس سے خوف ہے کہ بلا ضرورت جھوٹ میں مبتلا ہو گا یا ضرورت ومجبوری کی جگہوں پر اکتفا نہ کرے، بہر حال جھوٹ اصل کے اعتبار سے حرام ہے لیکن مجبوری کی جگہوں میں جائز ہے"۔

اولیاء اللہ کی آزمائش کا سبب:

اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کو آخرت میں بلند درجے عطا کرنے کے لئے دنیا میں آزماتے ہیں۔ ان آزمائشوں کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مصائب وتکالیف میں اللہ کی مدد ونصرت کے حصول سے ان کا یقین اللہ کے وعدوں پر کامل ہو جائے اور ان کے قلوب میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ سختیوں میں ان کا اللہ کے سوا کوئی چارہ کار نہیں لہٰذا وہ دعا ونماز کے ذریعہ اسی کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

مشرک کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے؟

حضرت سارہ علیہا السلام کا حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو بطور ہدیہ کے قبول کرنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس کو برقرار رکھنا (جیسا کہ بعض روایات میں ہے) اس بات کی دلیل ہے کہ مشرک کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔

اسی وجہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصہ پر ایک جگہ یہ عنوان قائم کیا ہے "مشرک کا ہدیہ قبول کرنے کا بیان"۔

اس کی تائید حضور ﷺ کے عمل مبارک سے بھی ہوتی ہے کیونکہ آپ ﷺ نے قبطی بادشاہ "مقوقس" کے ہدیہ کو قبول فرمالیا تھا۔

لیکن اس پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ جب عیاض بن حمار نے حضور ﷺ کو کوئی

ہدیہ یا کوئی اونٹنی پیش کی تو آپ نے اس سے دریافت کیا کہ "کیا تو مسلمان ہو چکا ہے" اس نے جواب دیا: "نہیں" تو حضور ﷺ نے فرمایا: "مجھے مشرکین کا ہدیہ لینے سے منع کر دیا گیا ہے"۔[۱]

ان دونوں روایات کے درمیان علماء نے ایسے تطبیق کی ہے کہ آپ ﷺ کا مقوقس کے تحائف کو قبول کرنا اسے مانوس کرنے اور اس کے دل کو اسلام کے لئے نرم کرنے کی غرض سے تھا جبکہ عیاض بن حمار کے ہدیہ کو قبول نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس ہدیہ کے ذریعہ حضور ﷺ کی محبت اور میل جول کے خواہش مند تھے۔

(۴) اس قصہ سے معلوم ہوتا کہ کسی کو مطلق طور پر بھائی یا بہن کہہ کر نسبی رشتہ کے بجائے اسلامی رشتہ مراد لینا جائز ہے۔ اسی وجہ سے اگر کسی شخص نے اسلامی رشتہ مراد لیتے ہوئے اپنی بیوی سے کہا کہ "تو میری بہن ہے" تو یہ ظہار نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے اپنے غلام کی شرارتوں سے تنگ آکر اسے کہا کہ "تو آزاد ہے" اور اس قول سے مقصود اس کی ذات نہ تھی بلکہ صفت تھی تو غلام آزاد نہ ہوگا۔

اسی وجہ سے اس قصہ کی بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ یہ عنوان قائم کیا ہے کہ "جب کسی شخص نے مجبوری کی حالت میں اپنی بیوی کے بارے میں کہا کہ یہ میری بہن ہے تو اس پر کچھ لازم نہ ہوگا"۔

(۵) اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دو مصیبتوں میں سے ہلکی کو اختیار کرتے ہوئے ظالم اور غاصب بادشاہ کی اطاعت کرنا جائز ہے، یہی بات مندرجہ ذیل آیت مبارکہ سے مفہوم ہوتی ہے:

﴿إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ﴾ (سورۃ النحل: ۱۰۶)

"وہ نہیں جو (کفر پر زبردستی) مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔"

---

[۱] اخرجہ الترمذی و ابوداؤد و احمد

لہٰذا جو شخص کلمہ کفر کے بولنے پر مجبور کر دیا جائے لیکن اس کا دل اس کو ناگوار خیال کرتا ہو تو اس میں کوئی نقصان نہیں۔

(۲) ﴿حضرت موسیٰ و حضرت خضر علیہما السلام کا قصہ﴾

یہ قصہ احادیث مبارکہ میں وارد ہونے والے قصوں میں تقریباً سب سے لمبا قصہ ہے مزید یہ کہ اس قصے کے مختلف پہلو بھی ہیں۔

میرا خیال ہے کہ اس طویل قصہ کو پیش کرنے کا بہترین اسلوب یہ ہے کہ میں اس قصہ کے موضوعات کو مختلف اجزاء میں تقسیم کر دوں، ہر جز کو عنوان کے ذریعہ ممتاز کروں اور ہر عنوان کو متن کے ایک خاص جز کے ساتھ لگاؤں پھر اس کی شرح اور فوائد کو ذکر کر دوں۔ نیز یہ کہ اس قصہ کی حدیث کی تخریج قصہ کے آخر میں کروں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

جزء اول:

حضرت خضر کی ملاقات سے قبل حضرت موسیٰ بنی اسرائیل میں:

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: نوف بکالی کا خیال ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ ذکر کردہ موسیٰ بنی اسرائیل کے موسیٰ علیہ السلام نہیں بلکہ کوئی اور موسیٰ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ کا دشمن (نوف بکالی) جھوٹ بولتا ہے، حضرت ابی بن کعب ؓ نے ہمیں حضور ﷺ کی حدیث مبارکہ سنائی ہے کہ "ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے، ان سے پوچھا گیا کہ "سب سے بڑا عالم کون ہے؟" انہوں نے جواب دیا: "میں ہوں"۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی اس بات پر غصہ آیا کہ انہوں نے علم کی نسبت اللہ کی طرف کیوں نہ کی۔ لہٰذا ارشاد ہوا،

''کیوں نہیں، دو سمندروں کے ملنے کی جگہ میرا ایک بندہ ہے جو تجھ سے بڑا عالم ہے'' ۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ''اے میرے رب، میں اس تک کیسے رسائی حاصل کر سکتا ہوں؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تو ایک مچھلی پکڑ کے زنبیل میں رکھ لے جس جگہ مچھلی گم ہو جائے وہ شخص وہیں ہے'' ۔

تشریح:

حیات ونبوتِ خضر علیہ السلام کے بارے میں علماء کا اختلاف:

حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت اور اب تک ہمارے درمیان موجودگی کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

حضرت خضر علیہ اسلام کی نبوت کو حافظ ابن حجرؒ نے راجح قرار دیا ہے۔ بلکہ ان کی رائے کے مطابق اس کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے تاکہ باطل لوگوں کو اپنے اس دعویٰ کی دلیل نہ مل سکے کہ ولی نبی سے افضل ہوتا ہے۔

اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت کے قائل تھے، انہوں نے مذکورہ قصہ کی روشنی میں بہت سے دلائل پیش کرنے کے بعد فرمایا:

''یہ ان کی ولایت اور رسالت کے حصول کے منافی نہیں جیسا کہ بعض لوگ اس کے قائل ہیں، جب ان کی نبوت ثابت ہو گئی تو ان کی ولایت کے قائلین کے پاس کوئی دلیل باقی نہ رہی'' ۔

حضرت خضر علیہ السلام کے موجودہ زمانہ میں باقی اور زندہ ہونے کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، بعض لوگ ان کے وجود کے قائل ہیں اور اپنی دلیل میں بعض حکایات خاصہ اور احادیث مرفوعہ کو پیش کرتے ہیں۔

لیکن ایسی تمام احادیث کی اسناد کو علماء نے من گھڑت اور ضعیف قرار دیا ہے۔

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وہ تمام احادیث جو خضر علیہ السلام اور ان کی زندگی کے بارے میں ذکر کی جاتی ہیں سب کی سب من گھڑت ہیں اور ان کی زندگی کے بارے میں ایک حدیث بھی صحیح نہیں ہے''۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کے بارے میں پیش کی جانے والی روایات کے بارے میں فرماتے ہیں:

''یہ تمام کی تمام روایات و حکایات ان لوگوں کی دلیل ہیں جو ان کی حیات کے قائل ہیں حالانکہ یہ تمام مرفوع احادیث بہت ضعیف ہیں اور دین کے معاملہ میں ان کو حجت بنانا درست نہیں اور اکثر حکایات کی اسناد ضعیف تر ہیں''۔

ابوالفرج الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اپنے دل کی باتوں میں الجھے رہنے والے بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ خضر علیہ السلام اب تک موجود ہیں۔ یہ لوگ روایت کرتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کی حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے ملاقات بھی ہوئی اور یہ کہ بہت سے نیک لوگوں نے ان کی زیارت بھی کی ہے اور ایک صاحب نے تو اس موضوع پر ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں سنی سنائی احادیث کو ان کی علتوں کی معرفت کے بغیر جمع کر دیا اور نقل کردہ اسانید کے بارے میں کسی سے نہ پوچھا، یہ بات اتنی آگے بڑھی کہ بعض متکلف زہد اختیار کرنے والوں نے کہا کہ ہم نے خضر علیہ السلام کو دیکھا ہے اور ان سے بات چیت بھی کی ہے، یہ تو بڑی عجیب بات ہے، کیا انہیں ایسی علامات معلوم ہیں جن کے ذریعہ انہوں نے پہچان لیا کہ یہی خضر علیہ السلام ہیں، کیا کسی سمجھدار شخص کے لئے ممکن ہے کہ کوئی شخص اسے ملے اور کہے کہ میں خضر ہوں اور وہ اس کی تصدیق کرے؟''۔

علماء نے خضر علیہ السلام کے بارے میں نقل کردہ روایات و حکایات کی تردید کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث سے ان کی وفات پر دلائل پیش کئے ہیں۔

(۱) اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

﴿"وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ"﴾ (سورۃ الانبیاء: ۳۴)

"اور (اے پیغمبر) ہم نے تم سے پہلے کسی آدمی کو بقائے دوام نہیں بخشا۔"

اگر خضر علیہ السلام اس عموم سے خارج اور مستثنیٰ ہوتے تو اس استثناء کے متعلق کوئی ٹھوس دلیل ضرور موجود ہوتی۔

(۲) ایک مرتبہ حضور ﷺ نے اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اپنی زندگی کے آخری ایام میں عشاء کی نماز پڑھانے کے بعد فرمایا: "تم آج کی رات کو دیکھ رہے ہو، سو سال کے بعد روئے زمین پر جتنے لوگ موجود ہیں ان میں سے کوئی باقی نہ رہے گا"۔[1]

ایسی اور بہت سی دلیلیں اور براہین ہیں جو حضرت خضر علیہ السلام کی وفات کی تائید کرتی ہیں لیکن یہاں ان کے تذکرہ کی مزید گنجائش نہیں ہے۔[2]

﴿فوائد﴾

(۱) جھوٹ کی تردید ضروری ہے:

نوف بکالی کے بلاتصدیق گفتگو کرنے پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے بارے میں کہا: "اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا ہے" اس سے معلوم ہوا کہ خلاف حقیقت اور غلط بات کی تکذیب اور اس کے دعویٰ کی تردید کرنا ضروری ہے۔

---

[1] رواہ البخاری و ابوداؤد و احمد

[2] حیات خضر علیہ السلام کا مسئلہ علماء امت کے درمیان ایک اختلافی مسئلہ ہے، حیات خضر علیہ السلام کا اقرار کرنے والے بھی ہیں اور انکار کرنے والے بھی۔ اس سلسلہ میں اگر تفصیل درکار ہو تو "معارف القرآن" از مفتی شفیع صاحبؒ (تفسیر سورۂ کہف، آیت: ۸۲) میں ملاحظہ کر لی جائے۔ (مترجم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس شدت اور سختی میں دعوت دینے والے کے لئے ایک درس ہے وہ یہ کہ اسے چاہئے کہ اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت گیر کی ملامت سے نہ ڈرے۔ نیز یہ بھی ضروری ہے حق کو معیار بنا کر لوگوں کے متعلق فیصلہ کیا جائے نہ یہ کہ لوگوں کو معیار بنا کر حق کا فیصلہ کیا جائے کیونکہ لوگوں کی حقیقت حق سے معلوم ہوتی ہے حق کی حقیقت لوگوں سے معلوم نہیں ہوتی۔

(۲) علمی اختلاف رائے کا جواز

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے موسیٰ کے متعلق باہمی اختلاف رائے اس بات کی علامت ہے کہ علم میں اختلاف رائے جائز ہے بشرطیکہ نفس پرستی کی بنیاد پر نہ ہو، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے اہل علم سے رجوع کیا جائے جیسا کہ ابن جبیرؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ کیا۔

اگر باہمی بحث ومناظرہ سے طلب علم کی نیت ہی ختم ہو جائے تو ایسا مناظرہ خیر سے خالی ہے، لہٰذا مسلمان کو چاہئے کہ ایسے مناظروں اور بحثوں سے اجتناب کرے کیونکہ ایسے جھگڑے دلوں میں بغض وعداوت اور حقد وکینہ کے پیدا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے:

"ہدایت کے بعد وہی لوگ گمراہ ہوئے جو باہم جھگڑنے والے تھے"۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرمائی:

﴿مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ﴾

(سورۃ الزخرف۔ ۵۸)

"انہوں جو اس (عیسیٰ) کی مثال تم سے بیان کی ہے تو صرف جھگڑے کی حقیقت ہے کہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔"

اگر داعی ان شرائط کا خیال کرتے ہوئے علمی اختلاف رائے رکھتے ہیں تو یہ

اختلاف ان کے وقت کو بچائے گا وگرنہ وہ پانی میں ہل چلانے اور ہوا میں پھونکیں مارنے والوں کی طرح ہوں گے۔

(۳) اظہار لاعلمی عیب نہیں:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ "سب سے بڑا عالم کون ہے؟" انہوں نے جواب دیا: "میں سب سے بڑا عالم ہوں" اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کو پسند نہ فرمایا کہ انہوں نے علم کی نسبت اللہ کی طرف کیوں نہ کی، اس سے معلوم ہوا کہ کسی بات سے عدم واقفیت کی صورت میں انسان کو توقف کرنا چاہئے اور معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دینا چاہئے، ایسی صورت میں خود کو بے قصور اور پاک صاف قرار دے کیونکہ اظہار لاعلمی اسے طلب علم پر برانگیختہ کرے گا۔

(۴) طلب علم میں دور دراز کے سفر کی فضیلت:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے درخواست کرنا کہ اس عبد صالح کا پتہ انہیں بتایا جائے جو ان سے بڑا عالم ہے اور پھر ان کا سمندر میں سفر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ طلب علم کے لئے نکلنا اور سفر کرنا مستحب ہے۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اگر کوئی شخص شام سے یمن تک کا سفر محض ایک ایسے لفظ کے لئے کرے جو ہدایت کی طرف اس کی راہ نمائی کرے یا برے کام سے اس کو روکے تو اس کا سفر ضائع نہیں"۔

اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنا، اپنے سے کم تر شخص سے حصول علم میں نہ شرمانا اور علم کی تحصیل میں جدوجہد کرنا مستحب ہے۔

بلاشبہ اصحاب دعوت ان دروس کے سب سے زیادہ محتاج ہیں اس لئے کہ وہ بنیادی چیز جس کے سہارے وہ لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں، علم ہے۔ اگر علم کم ہوگا تو اس کی گفتگو کی طاقت بھی کم ہوگی۔

ایک داعی کا دوسرے داعی سے علم سیکھنے کی کوشش کرنا اصحاب دعوت کی باہمی محبت کے حصول اور شیطانی ہتھیاروں یعنی خود پسندی اور تکبر سے محفوظ رہنے کا ذریعہ اور سبب ہے۔

مزید چند دروس قصہ:

(۵) موسیٰ علیہ السلام کا سفر کے توشہ کے طور پر مچھلی کو ہمراہ لے کر جانا توشہ سفر لیجانے کے جواز کی دلیل ہے۔

(۶) اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بروقت اپنے انبیاء کی تربیت وراہ نمائی فرماتے ہیں تاکہ وہ اللہ کی طرف سے اللہ کے بندوں کی طرف صاف شفاف شخصیت کردار کے حامل افراد قرار پائیں۔

(۷) اختلاف کی حالت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا حضور ﷺ کے قول کی بنیاد پر فیصلہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ہر باہمی تنازع واختلاف کے وقت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو فیصلہ کا مدار بنایا جانا ضروری ہے، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ أَحْسَنُ تَأْوِيْلًا﴾ (سورة النساء: ۵۹)

"اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں خدا اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو، یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا مآل بھی اچھا ہے۔"

(۸) حضرت موسیٰ کا خطبہ دینے کے لئے بنی اسرائیل کے لوگوں میں کھڑا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ خطابت وتقریر دعوت کا قدیم ذریعہ ہے۔

جزثانی:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات:

"......حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مچھلی پکڑ کر زنبیل میں ڈالی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام اپنے جوان یوشع بن نون کی معیت میں چل پڑے، یہاں تک کہ جب وہ دونوں ایک چٹان کے پاس پہنچے تو اپنے سر اس پر رکھ لئے، اس دوران موسیٰ علیہ السلام سو گئے، مچھلی پھدکی اور نکل کر سمندر میں گر گئی اور سمندر میں سرنگ کی طرح کا راستہ بنا لیا، وہ دونوں حضرات دن رات کا باقی حصہ چلتے رہے۔ یہاں تک کہ اگلے دن موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جوان سے کہا: "ہمارا ناشتہ لے ہم نے تو اس سفر میں بڑی سخت تکلیف اٹھائی ہے"۔ موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف اس وقت محسوس ہوئی جب وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کردہ مقام سے آگے بڑھ گئے۔

ان کے جوان نے کہا: "کیا آپ نے دیکھا کہ جب ہم اس پتھر کے پاس ٹھہرے تھے تو میں مچھلی کو وہیں بھول آیا اور مجھے شیطان ہی نے بھلایا ہے کہ میں اس کا ذکر کروں اور اس نے اپنی جگہ سمندر میں عجیب طرح سے بنالی"۔ مچھلی نے سرنگ نما راستہ حاصل کیا اور یہ دونوں تعجب کا شکار ہوئے، موسیٰ علیہ السلام نے نوجوان سے کہا: "یہی ہے جو ہم چاہتے تھے پھر اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہی الٹے پھرے"۔ وہ دونوں اپنے نشانات قدم کی پیروی میں پتھر کے پاس پہنچے تو وہاں ایک آدمی کو دیکھا جو کسی کپڑے میں لپٹا ہوا تھا، موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دے کر پوچھا: "تمہارے علاقہ میں سلام کہاں سے آیا؟" موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "میں موسیٰ ہوں" خضر علیہ السلام نے پوچھا: "تم بنی اسرائیل کے موسیٰ ہو" موسیٰ علیہ السلام نے ہاں میں جواب دے کر کہا: "میں آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ آپ سے رشد و ہدایت حاصل کروں جو آپ کو عطا کی گئی ہے"۔ یہ سن کر خضر علیہ السلام نے کہا: "اے موسیٰ مجھے اللہ کی

طرف سے ایسا علم عطا کیا گیا ہے جسے اللہ نے مجھے سکھایا ہے لیکن تو نہیں جانتا اور تجھے اللہ کی طرف سے ایسا علم عطا کیا گیا جو اللہ نے تجھے سکھایا ہے لیکن میں اسے نہیں جانتا ..... (الی آخرہ)''۔

﴿فوائد﴾

(۱) چھوٹوں سے خدمت لینا جائز ہے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے نوجوان سے کہنا کہ ''ہمارا ناشتہ لے آؤ ہمیں اس سفر میں سخت تکلیف پہنچی ہے'' اس بات کی دلیل ہے کہ شاگردوں اور چھوٹوں کا علماء اور بڑوں کی خدمت کرنے اور ان کی ضروریات پوری کرنے میں کوئی حرج نہیں اور یہ خدمت تعلیم کا عوض لینے کے زمرہ میں نہیں آتی بلکہ حسن معاشرت اور شاگردوں کی محبت اس کا تقاضا کرتی ہے۔

اس کی تائید حضور ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے بھی ہوتی ہے جیسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتے تھے کیونکہ یہ حضور ﷺ کے ساتھ حسن معاشرت کا تقاضا بھی تھا۔

لیکن داعی پر یہ بات لازم ہے کہ خدمت کرنے میں اپنی عزت نفس کا خیال رکھے اور کسی کو اپنی خدمت میں نہ لگائے اور یہ کہ لوگ اس کی خدمت اپنی ذاتی خوشی کی وجہ سے کریں اور داعی پر یہ بھی لازم ہے کہ خدمت کا سوال کرنے سے گریز کرے اور اگر کسی کے احسان کا زیادہ بدلہ نہ دے سکتا ہو تو کم از کم پورا بدلہ ضرور دے، ایک حدیث میں آتا ہے کہ ''اگر کوئی تمہارے ساتھ بھلائی کرے تو تم اس کو پورا بدلہ دو، اگر اس کو بھلائی کا بدلہ دینے کی طاقت نہ ہو تو اس کے لئے اتنی دعا کرو کہ تم خیال کرو کہ تم نے اسے پورا پورا بدلہ دے دیا''۔[1]

---

[1] رواہ ابوداؤد و النسائی و احمد

(۲) اظہار تکلیف جائز ہے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول ”ہمیں اس سفر میں بڑی تکلیف پہنچی ہے“ اس بات کی دلیل ہے کہ مشقت و تکلیف کا اظہار کرنا اور بیماری وغیرہ کی خبر دینا جائز ہے، بشرطیکہ اس میں ناراضگی اور مشیت خداوندی سے انحراف کا پہلو موجود نہ ہو۔

(۳) سیدھے راستہ پر چلنا ہی بہتر ہے:

حضور ﷺ نے اس قصہ کے بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ”جونہی موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم کردہ مقام سے آگے نکلے تو انہیں پریشانی لاحق ہوگئی“۔ یہ فرمان رسول ﷺ اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ سیدھے راستہ پر درست طریقہ سے چلنا انسان کو مشقت اور تکلیف سے بچالیتا ہے۔

اگر اس کلام سے مادی راستہ ہی مراد ہو جیسا کہ زیادہ مناسب ہے تو سیدھے راستہ پر چلنا انسان کو مشقت سے بچائے گا۔ لہٰذا آدمی جب تک سیدھے راستہ پر چلتا رہے گا راحت اور اطمینان میں رہے گا اور جب مختلف قسم کے امور اسے گھیر لیں اور عمدہ راستہ سے اسے ہٹادیں تو اسے تھکاوٹ اور پریشانی لاحق ہو جائے گی۔

اس کی تائید اللہ تعالیٰ شانہ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے:

﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ﴾ (سورۃ طہ: ۱۲۳، ۱۲۴)

”پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا۔ اور جو میرے ذکر سے اعراض کرے گا اس کی معیشت تنگ ہوگی اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا (کرکے) حاضر کریں گے۔“

(۴) گفتگو میں آداب کی رعایت ضروری ہے:

حضرت یوشع بن نون کے قول "مجھے شیطان نے بھلا دیا کہ میں اسے یاد کروں" سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کی عظمت اور آداب کی رعایت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف غیر مناسب الفاظ کی نسبت نہ کی جائے اگرچہ ہر کام اس کی تقدیر سے ہی رونما ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول "وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ" (یعنی جب میں بیمار ہوتا ہوں تو اللہ ہی مجھے شفا دیتا ہے)۔ اس طرح اس قصہ میں حضرت خضر علیہ السلام کا قول "فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا" (میں نے چاہا کہ میں اس کشتی کو عیب دار کر دوں) اور اسی طرح ان کا قول "فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا" (تیرے رب نے ارادہ کیا کہ وہ دونوں عمر کی پختگی تک پہنچ جائیں)۔

اسی طرح حضور ﷺ حق تعالیٰ شانہ کی شان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"(اے اللہ) ساری کی ساری بھلائیاں تیری جانب سے ہیں اور برائیاں تیری طرف سے نہیں ہے"[۱]

یہ تمام اقوال اسی قبیل سے ہیں۔

(۵) علم غیب اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے:

حضرت خضر علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کے متعلق پوچھنا اس بات کی دلیل ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور دوسرے لوگوں کا غیب کی صرف انہی باتوں کا علم ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ انہیں بتا دے۔

اسی حقیقت کو اللہ رب العزت نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ

[۱] رواہ مسلم و النسائی

كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ﴾ (سورة الاعراف:۱۸۸)

''کہہ دو کہ میں اپنے فائدے اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا مگر جو خدا چاہے اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو بہت سے فائدے جمع کر لیتا اور مجھ کو کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔''

(۲) سلام کے آداب:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کو سلام کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ چلتے ہوئے یا گزرنے والے کا بیٹھے ہوئے یا لیٹے ہوئے شخص کو سلام کرنا مستحب ہے۔

جزء ثالث

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کی معیت میں:

'' خضر علیہ السلام نے کہا: ''اے موسیٰ، مجھے اللہ کی طرف سے ایسا علم عطا ہوا ہے جو میں ہی جانتا ہوں تجھے اس کے متعلق کوئی خبر نہیں، اور تجھے بھی اللہ کی طرف سے ایسا علم عطا ہوا ہے جو تو ہی جانتا ہے مجھے اس کے متعلق کوئی علم نہیں'' موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا ''کیا میں آپ کے ساتھ رہوں؟'' حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا: ''یقیناً آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکتے اور آپ کیسے صبر کریں گے اس بات پر جو آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی''، ان کی یہ بات سن کر موسیٰ علیہ السلام گویا ہوئے: ''ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کی کسی بات کی مخالفت نہیں کروں گا'' پھر وہ دونوں حضرات چلتے ہوئے سمندر کے ساحل تک پہنچے، ان کے پاس سے ایک کشتی گزری، ان تینوں (حضرت موسیٰ، حضرت خضر اور حضرت یوشع بن نون) نے کشتی والوں سے سوار ہونے کے متعلق بات چیت کی، کشتی والوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور بغیر

کرایہ کے انہیں سوار کر لیا، جب وہ کشتی میں سوار ہو گئے تو ایک چڑیا آ کر کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی پھر اس نے ایک یا دو چونچ پانی کی سمندر میں سے حاصل کی۔ (چڑیا کے اس عمل کو دیکھ کر) حضرت خضر نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ''اے موسیٰ! تیرا اور میرا علم اللہ کے علم میں سے اتنی کمی بھی نہیں کر سکتا جتنی اس چڑیا نے سمندر کے پانی میں سے کی ہے''۔ اس دوران اچانک خضر علیہ السلام نے ایک کلہاڑا پکڑا اور کشتی کا ایک تختہ نکال دیا۔

موسیٰ علیہ السلام نے (شکوہ بھرے انداز میں) کہا: ''یہ آپ نے کیا کیا؟ ایسے لوگ جنہوں نے ہمیں بغیر کرایہ کے سوار کیا آپ ان کی کشتی کے درپے ہو گئے اور اسے پھاڑ دیا تاکہ آپ کشتی کے لوگوں کو غرق کر دیں۔ البتہ آپ نے ایک خطرناک کام کیا کیا ہے''۔

خضر علیہ السلام نے کہا: ''میں نے آپ کو نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے'' موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی: ''میرے بھول جانے پر گرفت نہ کیجئے اور میرے معاملہ میں سختی سے کام نہ لیں''۔

پہلی بے صبری موسیٰ علیہ السلام سے بھول کی وجہ سے ہوئی تھی، جب وہ سمندر سے باہر نکلے تو ایک لڑکے کے پاس سے گزرے جو بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، حضرت خضر علیہ السلام نے اس لڑکے کا سر پکڑ کر تن سے جدا کر دیا (اس موقع پر حضرت سفیان (ایک راوی) نے اپنی انگلیوں سے یوں اشارہ فرمایا جیسے کسی چیز کو اکھیڑا جاتا ہے)۔ یہ عمل دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ''آپ نے ایک بے گناہ کو ناحق مار ڈالا ہے، البتہ آپ نے بہت برا کام کیا ہے''۔ خضر علیہ السلام گویا ہوئے: ''میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے''۔ موسیٰ علیہ السلام نے گزارش کی کہ ''اگر اس کے بعد میں کسی چیز کا سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں، آپ میری طرف سے معذوری تک پہنچ جائیں گے'' پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس سے گزرے تو ان سے کھانا مانگا، انہوں نے مہمان نوازی سے انکار کر دیا، پھر انہوں نے وہاں ایک دیوار پائی

جو گرنے ہی والی تھی، تب اسے سیدھا کر دیا، موسیٰ علیہ السلام نے پھر شکوہ کیا کہ ''ہم ان لوگوں کے پاس آئے جنہوں نے نہ ہمیں کھانا کھلایا اور نہ ہی ہماری مہمان نوازی کی، لیکن آپ ان کی دیوار کے درپے ہوئے (اور اسے درست کر دیا) اگر آپ چاہتے تو اس کام پر کوئی اجرت ہی لے لیتے'' یہ سن کر خضر علیہ السلام نے کہا: ''اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے، اب میں آپ کو ان باتوں کا راز بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے''۔

حضرت سفیان کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم کرے، اگر وہ صبر فرماتے تو اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے راستہ کے متعلق مزید مطلع فرماتے''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کشتی والوں کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر عمدہ کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا اور مقتول لڑکا کافر تھا جبکہ اس کے والدین اہل ایمان میں سے تھے''۔[1]

فوائد

(۱) آدابِ تعلیم و تعلم:

اس قصہ کی روشنی میں تعلیم و تعلم اور درس و تدریس سے متعلق مندرجہ ذیل آداب معلوم ہوتے ہیں:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر سے کہنا کہ ''کیا میں اس شرط پر آپ کے ساتھ رہوں کہ آپ مجھے اس میں سے سکھائیں جو آپ کو ہدایت کا راستہ سکھایا گیا ہے'' یہ ایک ایسا اسلوب ہے جو ادب واحترام کے بلند مرتبہ پر فائز ہے، باوجود اس کے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خود بھی فضل و رفعت اور بلند مقام کے حامل تھے۔ اس طرز تکلم سے متعلم کے لیے استاد کا ادب واحترام اور عزت وعظمت کرنے کی راہ نمائی ملتی ہے کیونکہ ایسا

[1] اخرجہ البخاری و مسلم و الترمذی و احمد

کرنے سے استاد کا دل طالب علم کے بارے میں صاف ہوگا جس کی وجہ سے استاد اپنے شاگرد پر اس علم کا فیضان برسا سکے گا جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کیا ہے۔

(۲) حضرت خضر علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنا کہ ''آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے'' اس بات کی طرف راہ نمائی کرتا ہے کہ عالم کسی پر اپنے علم کا بخل نہیں کرتا لیکن طالب علم کو اپنی طرف متوجہ کرنے اور اس کے ذہن کو اپنے ساتھ حاضر کرنے کا خیال ضرور کرتا ہے تاکہ طالب علم فضولیات میں اپنا وقت ضائع نہ کرے۔ حضرت خضر علیہ اسلام نے یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی استعداد معلوم کرنے کے لئے فرمائی، ان کی بات سن کر موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا ''اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا'' اس انداز کلام میں اپنے رب اور اپنے ساتھی دونوں کے لئے ادب کا پہلو موجود ہے اور اپنے نفس پر حد سے زیادہ اعتماد بھی نہیں کیا گیا۔

(۳) حضرت خضر علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنا ''اگر آپ نے میرے ساتھ چلنا ہے تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں سوال نہ کریں یہاں تک کہ میں خود آپ سے اس کے متعلق ذکر کروں''۔ یہ قول اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ استاد کی مثال ڈاکٹر کی سی ہے جو بقدر ضرورت دوا تجویز کرتا ہے، اگر استاد مقدار ضرورت کی رعایت نہ کرے گا تو اپنا اور طلباء کا وقت ضائع کرنے کے ساتھ ساتھ عمل لا حاصل کا ارتکاب کرنے والا ہوگا، اور بعض اوقات تو وہ نفع خیال کرتے ہوئے نقصان دینے والا ہوگا۔

(۴) دو مصیبتوں میں سے ہلکی کو اختیار کرنا:

حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کو پھاڑ ڈالا باوجود یہ کہ اس میں نقصان تھا، ان کا یہ فعل اس بات کی طرف راہنمائی کرتا ہے کہ انسان کو مختلف امور کے تعارض کے وقت مصلحت پر نگاہ رکھنی چاہئے، اگر دو خرابیاں جمع ہو جائیں تو وہ دونوں سے زیادہ ہلکی کو اختیار

کرے جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کو زبردستی چھین لئے جانے کے بجائے اس کے عیب دار ہونے کو ترجیح دی۔

علماء کا اکرام ضروری ہے:

حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لئے جانے کے بعد بغیر کرایہ کے انہیں کشتی میں سوار کرلیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ اگر عالم کو کسی چیز میں خصوصی فضیلت عطا کی جائے یا اس کے ذاتی اور گھریلو امور کو سرانجام دیا جائے تو اس سے اللہ کے ہاں اس کے مرتبہ میں کمی نہیں آتی، بشرطیکہ عالم اس قسم کی خصوصیات کی خواہش اور تمنا نہ کرے کہ ان کے مل جانے پر اسے خوشی اور نہ ملنے پر افسوس... کیونکہ ایسا کرنے سے اس کا علم وجود اور عدم کے اعتبار سے انہی خصوصیات سے مربوط رہے گا اور یہ چیز اس کے اخلاص کو ختم کردے گی۔

اللہ کے فیصلہ پر راضی رہنا باعث اجر ہے:

حضرت خضر علیہ السلام کا لڑکے کو قتل کرنا اور اس کی وجہ یہ بیان کرنا کہ "ہم نے چاہا کہ ان کا رب اس کے بدلہ میں انہیں ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر اور محبت میں اس سے بڑھ کر ہو"۔ یہ قول اولاد کے ضیاع سے پہنچنے والی مصیبت کو ہلکا کرنے کے لئے ہے۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اس لڑکے کی پیدائش پر اس کے والدین کو خوشی ہوئی اور اس کے انتقال پر افسوس، اگر وہ باقی رہتا تو اس میں ان کا نقصان تھا، لہٰذا ہر شخص پر ضروری ہے کہ وہ اللہ کے فیصلہ پر دل سے راضی رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا مومن بندہ کے لئے اس کا ناپسند فیصلہ کرنا اس کے پسندیدہ فیصلے سے بہتر ہے"۔

بوقت مجبوری کھانا مانگا جاسکتا ہے:

حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا ایک بستی میں جاکر بستی والوں سے کھانا طلب

کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ بھوک کے وقت بقدر ضرورت کھانا مانگا جا سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر بستی والے کسی مسافر کے حقوق کی رعایت نہیں کرتے تو وہ قابل مذمت ہوں گے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بستی کی مذمت بیان فرمائی اور انہیں ملامت زدہ قرار دیا۔

والدین کی دینداری اولاد کو فائدہ دیتی ہے:

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام نے اللہ کے حکم سے شہر میں رہنے والے دو یتیم بچوں کے مال کی حفاظت کے لئے دیوار کی تعمیر اس وجہ سے کی کہ ان کے والدین نیک تھے، اس سے معلوم ہوا کہ والدین کی نیکی و دینداری کا فائدہ اولاد کو بھی ہوتا۔ اس سے وہ اللہ تعالیٰ کی نگہبانی اور حفاظت میں آجاتے ہیں جیسا کہ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا﴾ (سورۃ النساء: ۹)

”اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہئے جو (ایسی حالت میں ہوں کہ) اپنے بعد ننھے ننھے بچے چھوڑ جائیں اور ان کو ان کی نسبت خوف ہو (کہ ان کے مرنے کے بعد ان بیچاروں کا کیا حال ہوگا) پس چاہئے کہ یہ لوگ خدا سے ڈریں اور معقول بات کہیں۔“

والدین کے بعد اولاد کے لئے یہی حقیقی حفاظت، نگرانی و مہربانی ہے نہ کہ وہ مادی اسباب جو اپنی غایت اور اسلوب کے اعتبار سے شریعت کے مخالف ہیں۔

دعا میں خود کو مقدم کرنا چاہئے:

اس قصہ میں مسلم شریف کی روایت میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے:

"اللہ کی رحمت ہم پر اور موسیٰ پر ہو، اگر وہ جلدی نہ کرتے تو عجیب چیزیں دیکھتے"۔

حضور ﷺ جب اپنا اور کسی دوسرے نبی کا تذکرہ فرماتے تھے تو اپنے ذکر سے ابتداء فرماتے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا دعا اور اس جیسے دوسرے امور جیسے آخرت کے احوال وغیرہ میں خود کو مقدم رکھنا مستحب ہے جبکہ دنیاوی امور میں خود کو موخر کرنا اور دوسروں کو ترجیح دینا مستحب ہے۔

اس جملہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خیر کی خواہش کرنا اور اس کے ضائع ہو جانے پر اظہار افسوس کرنا جائز ہے۔

حق تک رسائی میں اختلاف جائز ہے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب طے شدہ شرط کو پورا نہ کیا اور صبر نہ کر سکے تو حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے کہا: "اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہوتی ہے، اب میں آپ کو ان باتوں کا راز بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے"۔ یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ حق تک پہنچنے کے لئے اختلاف رائے پیدا ہو جانا محبت کے منافی نہیں بلکہ یہ اختلاف رائے باہمی معذرت اور اپنی رائے پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے اور ایک دوسرے پر الزام تراشی اور بدگمانی سے منع کرتا ہے۔

حقائق کی تفتیش ضروری ہے:

مذکورہ قصہ میں ذکر کردہ تینوں واقعات سے یہ بات اخذ کی جا سکتی ہے کہ کوئی ایسا عمل جو بظاہر فاسد و باطل نظر آ رہا ہو اس کی چھان بین اور مخالف رائے کو سننا ضروری ہے۔ اس لئے کہ ممکن ہے کہ اس میں درستگی کی کوئی وجہ موجود ہو، خاص طور پر اس وقت جب یہ عمل کسی ایسے شخص سے صادر ہو جو ظاہر کے اعتبار سے نیک اور برائی میں ملوث نہ ہوتا ہو۔

بلاشبہ آخر الذکر دونوں فوائد کی رعایت دعوت دینے والوں کی مختلف آراء کو قریب کرنے اور ان کی صفوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کا موثر ذریعہ ہے۔ اصحاب دعوت کا باہمی اتفاق و اتحاد ان کے اختلاف و انتشار سے بہت بہتر ہے کیونکہ ان کے اختلاف لوگوں کو دین سے روکنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں کہ داعی جس چیز کی دعوت دے رہے ہیں اس پر خود تو عمل پیرا نہیں۔

حکمت خداوندی کو تسلیم کرنا واجب ہے:

تینوں واقعات سے یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں ایسے اسرار و حکمتیں رکھی ہیں جو عام مخلوق سے مخفی ہوتی ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آشکارا ہوتی رہتی ہیں، ان اسرار کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے اپنی مخلوق میں ان افعال کو سرانجام دیتا ہے جن کے بارے میں ازل سے اسے معلوم ہے کہ یہ ان کے لئے فائدہ مند ہیں اور ان کو وقتی اور اخروی فائدے دلانے والے ہیں، اس حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ بندے مشیت الٰہی پر اعتراض کرنے کے بجائے اس کے سامنے سر جھکا دیں۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے قصہ میں بہت سے فائدے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ اپنی ملکیت میں جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہ اپنی مخلوق میں نفع و نقصان کے اعتبار سے جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے، اللہ کے افعال میں عقل کو کوئی دخل نہیں اور نہ ہی اس کے احکامات کا مقابلہ ہو سکتا ہے بلکہ مخلوق پر سر جھکانا اور راضی رہنا لازم ہے کیونکہ تمام عقلیں اسرار ربوبیت کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں، لہٰذا وہ مقدار و معیار کے اعتبار سے اس کے حکم کی تہ تک نہیں پہنچ سکتیں جیسا کہ کب اور کہاں میں ان کے وجود تک نہیں پہنچ سکتیں۔ عقل کسی چیز کو عمدہ اور قبیح قرار نہیں دے سکتی۔ کسی چیز کے حسین و قبیح ہونے کا دارو

مدار شریعت پر ہے جس چیز کو شریعت تحسین وعمدہ قرار دے وہی عمدہ چیز ہے اور جسے شریعت قبیح قرار دے وہی قبیح ہے۔ اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات میں خفیہ مصلحتوں کے پیش نظر اسرار و حکمتیں ہوتی ہیں اور یہ سب کی سب اللہ کی مشیت سے بغیر وجوب کے رونما ہوتی ہیں اور کسی عقل کا علم اس کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا بلکہ اسی اعتبار سے جو اس کے علم میں ہو اور اس کے حکم کے نفاذ میں ہو، اللہ تعالیٰ ان اسرار پر اپنی مخلوق میں سے جس کو مطلع کر دے وہ تو انہیں پہچان لیتا ہے ورنہ عقل کھڑی تماشا دیکھتی ہے، لہٰذا انسان کو ان اسرار پر اعتراض کرنے سے بچنا چاہئے کیونکہ اس کا انجام نقصان کے سوا کچھ نہیں''۔

(۳) حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''ایک مرتبہ حضرت ایوب علیہ السلام برہنہ حالت میں غسل کر رہے تھے کہ اچانک ان پر سونے کی ٹڈیوں کی بارش ہونے لگی، حضرت ایوب علیہ السلام ان ٹڈیوں کو اپنے کپڑے میں سمیٹنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: ''اے ایوب کیا میں نے آپ کو اس چیز سے بے نیاز نہیں کر دیا جسے آپ دیکھ رہے ہیں؟'' حضرت ایوب علیہ السلام نے عرض کیا: ''تیری عزت کی قسم ایسا ہی ہے لیکن میں تیری برکت سے تو بے نیاز نہیں ہوسکتا''۔ [1]

فوائد

برہنہ غسل جائز ہے:

اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خلوت میں غسل کرتے وقت مکمل کپڑے اتار کر برہنہ حالت میں غسل کرنا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ حضرت ایوب علیہ السلام کو سونا جمع

[1] اخرجه البخاری و النسائی و احمد

کرنے پر عتاب فرمایا لیکن برہنہ حالت میں غسل کرنے پر عتاب نہ فرمایا جس سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

اللہ کے فضل کی خواہش کرنا ضروری ہے:

حضرت ایوب علیہ السلام کا سونے کی ٹڈیوں کو برکت قرار دینا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس شخص کے لئے زیادہ سے زیادہ مال کی خواہش کرنا جائز ہے جسے اپنے آپ پر اس بات کا اعتماد ہو کہ وہ اس کا شکر ادا کرے گا۔

اس بات کی تائید حضور ﷺ کی اپنے صحابہ کے لئے کثرتِ مال کے حصول کی دعا سے بھی ہوتی ہے، ایک صحیح حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ "میری والدہ نے کہا: "یا رسول اللہ: انس آپ کا خادم ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیجئے" حضور ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! اسے مال واولاد کی کثرت عطا فرما اور جو کچھ تو اسے عطا کرے اس میں برکت عطا فرما"۔(۱)

حضور ﷺ کی طرف سے بعض اعمال صالحہ جیسے صلہ رحمی کی ترغیب اس طرح منقول ہے کہ یہ رزق کی کشادگی کا ذریعہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان کو اس نعمت کے شکر کا یقین ہو تو مال ورزق کی فراوانی کی خواہش کرنا جائز ہے۔

اس قصہ سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہوتی ہے کہ مال کی زیادتی کی خواہش کرنے میں نیت کا درست ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ مال اپنی ذات کے اعتبار سے اتنی اچھی چیز نہیں لیکن یہ اللہ کی طرف سے انعام واحسان اس وقت سمجھا جائے گا جب اسے اللہ کی اطاعت اور اس کی مدد کے حصول کا ذریعہ بنایا جائے۔

نعمتوں کو اس انداز میں دیکھنے اور استعمال کرنے کی تائید امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے مندرجہ ذیل آیت مبارکہ کے ضمن میں فرمایا:

۱۔ اخرجہ البخاری و مسلم و الترمذی و احمد

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ﴾ (آل عمران: ۱۴)

''فریفتہ کیا ہے لوگوں کو محبوب چیزوں کی محبت نے جیسے عورتیں۔''

وہ فرماتے ہیں: ''اے اللہ ہم اس بات کی طاقت نہیں رکھتے کہ تیری مزین کردہ چیزوں سے خوش نہ ہوں، اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میں اسے اس کے محل میں خرچ کروں''۔[1]

اللہ کی عزت کی قسم کھانا جائز ہے:

حضرت ایوب علیہ السلام کے قول ''تیری عزت کی قسم'' سے اللہ کی عزت کی قسم کھانے کا جواز معلوم ہوتا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر تنبیہ کرتے ہوئے اپنی کتاب الصحیح للبخاری میں ایک جگہ اس حدیث پر یہ عنوان قائم کیا ہے: ''اللہ تعالیٰ کی عزت، اس کے کلام اور صفات کی قسم کھانے کا بیان''۔

☆☆☆

[1] اخرجہ البخاری

خاتمہ

سنت نبویہ ﷺ میں ذکر کردہ صحیح قصوں کے انتخاب کے مطالعہ کے دوران ہمارے لئے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قصہ دعوتِ نبی ﷺ کا ایک اہم حصہ اور بنیادی ذریعہ ہے۔

اس مطالعہ سے ہمارے لئے یہ حقیقت بھی عیاں ہوتی ہے کہ قصصِ نبویہ ﷺ اپنی صداقت وحقیقت کے اعتبار سے ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ ان قصوں میں مضمون اور مرکزی خیال کے اختیار میں محض خیالات وتصورات کا سہارا نہیں لیا گیا اور نہ انسان کو یہ تصور دیا گیا ہے کہ وہ فرشتہ ہے کہ اس سے غلطی نہیں ہو سکتی یا یہ کہ وہ شیطان ہے جو پاکباز نہیں۔ اسی حکمت کے پیش نظر سنت نبویہ میں مضمون کے اختیار میں حقیقت کو پیش نظر رکھا جاتا ہے افسانوی خیالات اور من گھڑت کہاوتوں کو ترجیح نہیں دی جاتی۔ اسی طرح ان قصہ جات میں انسانی حقیقت کے دونوں پہلوؤں یعنی خیر وشر کو صحیح اور حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ قصے بلندی وعظمت کے حصول کی تاکید اور گراوٹ وپستی کے گڑھوں میں گرنے سے محفوظ رہنے کی ترغیب پر مشتمل ہیں۔

ان قصوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت نبویہ اپنے اسلوب میں طہارت وثقافت کے حامل ہونے اور معمولی پن وگراوٹ سے پاکیزہ ہونے کے سلسلہ میں ممتاز حیثیت کی حامل ہے۔ ان قصوں کی ایک بنیادی خصوصیت یہ بھی کہ ان میں انسان کو مثبت اور اعلیٰ سوچ وفکر فراہم کیا جاتا ہے اور اسے گھٹیا پن اور گراوٹ سے بچنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔

اہل دعوت کو اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ لوگوں کے دلوں میں قصوں کی محبت کے وجود کی بنا پر اس اسلوب دعوت کو استعمال کریں تاکہ لوگوں کے سامنے ایسے حقائق کو پیش کریں جو انہیں حقیقت سے روشناس کروادیں۔ ایسا کرنے سے وہ کلام نظری اور حقیقت عملی کو جمع کریں گے جس کے نتیجہ میں ان کی کوششیں اپنی انتہاء کو پہنچ جائیں گی۔

اس سلسلہ میں ایک عرض کرنا ضروری ہے کہ اسباب دعوت کے ذمہ دار افراد اور کتابت و تالیف کا پیشہ اپنانے والوں کے ذمہ ایک امانت ہے کہ وہ اپنے نفوس، اپنے مشاہدات وغیرہ میں تقویٰ اختیار کریں کیونکہ یہ بات بہت افسوسناک ہے کہ ہم اسلام کا نام استعمال کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں سے اس کی بنیادوں کو کمزور کریں۔

اس کتاب میں ذکر کردہ قصوں کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سنت رسول اللہ ﷺ میں زندگی کے ہر شعبے جیسے عقیدہ، اخلاق و عبادات وغیرہ کا احاطہ کیا گیا ہے، اس طرح داعی کے لئے ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ ایسے صحیح قصے حاصل کر سکیں جو صحیح سند سے ثابت ہیں۔

اس ضمن میں اصحاب دعوت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ حدیث کے معاملہ میں سچائی کا اہتمام کریں اور لوگوں کو خوش کرنے اور اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے جھوٹے اور من گھڑت قصوں کا سہارا نہ لیں۔

اس صورت میں ان مصنفین پر بھی ایک ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے قصہ جات کے موضوع کے طور پر من گھڑت کہانیوں اور فضول کرداروں کو استعمال نہ کریں کیونکہ ایسا کرنے سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا اور یقیناً کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں دعوت کے لئے ایسے موضوعات موجود ہیں جو اس قسم کی فضولیات اور لغویات سے بے نیاز کر دیں۔

یہی میری کوشش تھی جس کی اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق عطا فرمائی۔ اگر مجھے اس کام میں اللہ کی توفیق سے درستگی حاصل ہو تو یقیناً توفیق تو اللہ ہی کی طرف سے ملتی ہے اور میرا اسی پر بھروسہ ہے اور میں اس کی طرف رجوع کرتا ہوں اور اگر میں اس عمل میں غلطی پر ہوں تو میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ میری کوتاہی پر رحم فرمائے اور لغزش کو معاف کر دے۔

اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا خطا کریں تو ہم سے مواخذہ نہ فرما،

اے ہمارے رب ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا۔ اے ہمارے رب ہمیں اس چیز کا ذمہ دار نہ بنا جس کی ہم میں طاقت نہ ہو، ہمیں معاف فرما ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا آقا ہے لہٰذا کافروں پر ہماری مدد فرما۔

اے میرے رب مجھے سچ کے داخل ہونے کی جگہ داخل کر اور سچ کے نکلنے کی جگہ سے نکال دے اور میرے لئے اپنی طرف سے مددگار حجت قائم کر دے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

تمت الترجمة بفضل اللّٰہ وتوفیقہ

کتبھاابن سرور محمد اویس

۲ ستمبر ۲۰۰۵ء

﴿مراجع﴾

(احادیث وسنن کے حوالہ جات)

(ا)

(۱) الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان. ترتیب علاء الدین الفارسی طبعة أولی. بدون تاریخ. نشر المکتبة السلفیة بالمدینة المنورة.

(۲) ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری. العلامة القسطلانی. طبعة سابعة سنة ۱۳۲۳ھ. المطبعة الأمیریة. بولاق.

(ب)

(۳) بغیة الرائد لما تضمنه حدیث أم زرع من الفوائد. القاضی عیاض. مکتبة الفرقان بدون تاریخ.

(۴) بلوغ الأمانی من أسرار الفتح الربانی. أحمد عبدالرحمن البنا. طبعة ثانیة بدون تاریخ. طبع دار احیاء التراث العربی. بیروت.

(۵) بهجة النفوس. شرح مختصر صحیح البخاری. ابن أبی جمرة طبعة ثالثة سنة ۱۹۸۴م. دار الجیل. بیروت

(ت)

(۶) تحفة الأحوذی بشرح جامع الترمذی. المبارکفوری. نشر المکتبة السلفیة بالمدینة المنورة. بدون تاریخ.

(ج)

(۷) جامع العلوم و الحکم. ابن رجب الحنبلی. طبعة خامسة سنة ۱۹۸۰م. مکتبة الدعوة الاسلامیة.

(د)

(۸) دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين. محمد بن علان الصديقي الشافعي طبعة ثالثة سنة ١٩٥٥ . طبعة مصطفى الحلبي.

(ز)

(۹) زهر الربى على المجتبى بهامش سنن النسائي. للحافظ جلال الدين السيوطي طبعة أولى سنة ١٩٢٣ . مطبعة مصطفى الحلبي.

(س)

(۱۰) السنة و صلاح الأمة د/ محمد محمد شريف طبعة سنة ١٩٨٧ . بدون اسم مطبعة.

(۱۱) سنن أبي داود السجستاني. طبعة ثانية سنة ١٩٨٣ . مطبعة مصطفى الحلبي.

(۱۲) سنن الترمذي. طبعة ثانية سنة ١٩٧٥ م. مطبعة مصطفى الحلبي.

(۱۳) سنن النسائي. طبعة أولى سنة ١٩٢٣ . مطبعة مصطفى الحلبي.

(۱۴) سنن ابن ماجه. بتحقيق محمد فؤاد عبدالباقي. طبعة سنة ١٩٧٢ . مطبعة عيسى الحلبي.

(۱۵) سنن الدارمي. دار الكتب العلمية. بيروت. بدون تاريخ.

(ش)

(۱۶) شرح الأبي على صحيح مسلم. طبع دار الكتب العلمية. بيروت. بدون تاريخ.

(۱۷) شرح رياض الصالحين. الدكتور الحسيني عبدالمجيد هاشم. طبعة سنة ١٩٧٠ م، دار الكتب الحديثة

(۱۸) شرح الزرقاني على موطا مالك. بدون تاريخ أو اسم مطبعة.

(ص)

(۱۹) صحيح للبخاري بحاشية السندي. طبعة عيسى الحلبي. بدون تاريخ.

(۲۰) صحيح مسلم بتحقيق محمد فؤاد عبدالباقي. طبعة أولى سنة ۱۹۵۶. مطبعة عيسى الحلبي.

(۲۱) صحيح مسلم بشرح النووي. المطبعة المصرية. بدون تاريخ.

(ع)

(۲۲) عارضة الأحوذي على صحيح الترمذي. الامام الحافظ ابن العربي المالكي. طبع دار العلم للجميع. سورية. بدون تاريخ

(۲۳) عمدة القاري شرح صحيح البخاري. بدر الدين العيني. طبعة أولى سنة ۱۹۷۲. طبعة مصطفى الحلبي.

(۲۴) عون المعبود شرح سنن أبي داؤد. للعلامة أبي الطيب محمد شمس الحق العظيم آبادي، مع شرح الحافظ ابن قيم الجوزية. طبعة ثانية سنة ۱۹۶۸. الكتبة السلفية بالمدينة المنورة

(ف)

(۲۵) فتح الباري بشرح صحيح البخاري. الحافظ ابن حجر العسقلاني. طبعة سنة ۱۹۷۸ م. مكتبة الكليات الأزهرية

(۲۶) فتح الملك المعبود تكملة المنهل العذب المورود شرح سنن الامام أبي داود. الشيخ أمين محمود خطاب. طبعة أولى سنة ۱۹۶۳ م. مطبعة السعادة بمصر.

(۲۷) فيض الباري على صحيح البخاري. الشيخ محمد أنور الكشميري. دارالمعرفة. بيروت. بدون تاريخ

(۲۸) فيض القدير شرح الجامع الصغير. العلامة عبدالرؤف المناوى. طبعة ثانية ۱۹۷۲. دار المعرفة. بيروت

(ک)

(۲۹) الكرمانى بشرح البخارى. طبعة ثانية سنة ۱۹۸۱. دار احياء التراث العربى. بيروت.

(م)

(۳۰) مجمع الزوائد و منبع الفوائد. الحافظ نور الدين على بن ابى بكر الهيثمى. طبع مكتبة القدسى. بدون تاريخ.

(۳۱) المجروحين من المحدثين و الضعفاء و المتروكين. ابن حبان البستى. طبعة أولى سنة ۱۳۹۶ ھ. دار الوعى. حلب

(۳۲) مسند الامام أحمد بن حنبل. طبعة المكتب الاسلامى للطباعة و النشر. بدون تاريخ.

(۳۳) مشكل الحديث و بيانه. الحافظ ابوبكر بن فورک. طبعة أولى سنة ۱۹۸۲. دار الوعى. حلب

(۳۴) المنار المنيف فى الصحيح و الضعيف. ابن قيم الجوزية. طبعة سنة ۱۹۷۰. مكتبة المطبوعات الاسلامية.

(۳۵) الموضوعات ابو الفرج ابن الجوزى. طبعة اولى سنة ۱۹۶۶. المكتبة السلفية بالمدينة المنورة.

(۳۶) موطا الامام مالک. بتحقيق محمد فواد عبدالباقى. طبعة عيسى الحلبى. بدون تاريخ

(ن)

(۳۷) النهاية فى غريب الحديث والاثر. ابن الاثير. طبعة المكتبة

الاسلامية۔ بدون تاريخ

﴿احادیث وسنن کے علاوہ دوسرے حوالہ جات﴾

(۳۸) اتحاف فضلاء البشر في القرآت الاربع عشر۔ الشيخ احمد البناء۔ طبع عبدالحميد احمد حنفي۔ بدون تاريخ۔
(۳۹) احياء علوم الدين۔ الامام ابو حامد الغزالي۔ طبعة دارالشعب۔
(۴۰) أخطاء المنهج الغربي الوافد۔ انور الجندی۔ طبعة أولى سنة ۱۹۷۳۔ دار الكتاب اللبناني۔
(۴۱) أدب الدنيا والدين۔ ابو الحسن البصرى الماوردى۔ طبعة أولى سنة ۱۹۸۱۔ دار اقرأ۔ بيروت
(۴۲) الأدب وفنونه۔ عز الدين اسماعيل۔ طبعة أولى سنة ۱۹۵۵۔ دار النشر المصرية
(۴۳) اصحاب الاخدود۔ رفاعي سرور۔ طبعة سنة ۱۹۸۱۔ مكتبة السلام العالمي۔
(۴۴) أصول الدعوة۔ دكتور عبدالكريم زيدان۔ طبعة ثالثة سنة ۱۹۸۱۔ بدون اسم مطبعة۔
(۴۵) اعلام الموقعين۔ ابن قيم الجوزية۔ طبعة مكتبة عبدالسلام شقرون۔
(۴۶) اغاثة اللهفان من مصايد الشيطان۔ ابن قيم الجوزية۔ مكتبة المنار۔ بيروت۔ بدون تاريخ۔
(۴۷) أنت تسأل والاسلام يجيب ج ۱۔ محمد متولي الشعراوی۔ طبعة سنة ۱۹۸۲۔ دار المسلم۔

(۴۸) الانسان بين المادية والاسلام. محمد قطب. طبعة سادسة سنة ۱۹۸۰ دار الشروق.

(ب)

(۴۹) بحوث في قصص القرآن. السيد عبدالحافظ عبد ربه طبع. أولى سنة ۱۹۸۲. دار المسلم.

(۵۰) البداية والنهاية. الحافظ ابن كثير. طبعة ثانية سنة ۱۹۷۷. مكتبة المعارف. بيروت.

(۵۱) البيان النبوى. محمد أحمد البيومي. طبعة سنة ۱۹۸۰. دار الفكر للنشر والاعلام.

(۵۲) البيان والتبيين. أبو عثمان الجاحظ. طبعة أولى سنة ۱۹۴۸. مطبعة لجنة التاليف والترجمة والنشر.

(ت)

(۵۳) تحفة المودود بأحكام المولود. ابن قيم الجوزية. دار الكتب العلمية. بيروت. بدون تاريخ.

(۵۴) تذكرة الدعاة. البهي الخولي. طبعة سنة ۱۹۵۱. دار الكتاب العربي.

(۵۵) التطور والثبات في حياة البشر. محمد قطب. طبعة سنة ۱۹۷۳. دار الشروق.

(۵۶) تفسير ابن كثير. ط. عيسى الحلبي. بدون تاريخ.

(۵۷) تفسير القرطبي. طبعة الشعب. بدون تاريخ.

(۵۸) تفسير الكشاف. الزمخشري. طبعة سنة ۱۹۶۶. الحلبي.

(۵۹) التوجيه الادبي. طه حسين و آخرون. طبع دار المعارف. سنة

۱۹۸۱ء.

(ج)

(۲۰) جامع بيان العلم وفضله. أبو عمر يوسف بن عبدالبر. طبعة سنة ۱۹۸۱. المكتبة السلفية بالمدينة المنورة.

(د)

(۲۱) الداء والدواء. ابن قيم الجوزية. بتحقيق محمد جميل غازى. طبعة سنة ۱۹۷۸. مطبعة المدنى.

(۲۲) دعاة لاقضاة. حسن الهضيبي. طبعة سنة ۱۹۷۷. دار الطباعة والنشر الاسلامية.

(ر)

(۲۳) روضة العقلاء ونزهة الفضلاء. ابن حبان البستي. طبعة سنة ۱۹۳۹. مطبعة مصطفى الحلبي.

(س)

(۲۴) الزواجر عن اقتراف الكبائر. ابن حجر الهيثمي. طبعة ثانية سنة ۱۹۸۰. مطبعة مصطفى الحلبي.

(۲۵) سيرة ابن هشام. طبعة سنة ۱۹۷۸. المكتبة التوفيقية.

(۲۶) سيكولوجية القصة فى القرآن. دكتور التهامى نقرة. طبعة سنة ۱۹۸۳. الشركة التونسية للتوزيع.

(ص)

(۲۷) الشمائل المحمدية. الامام الترمذى. طبعة ثالثة ۱۹۵۲. مطبعة مصطفى الحلبي.

(۶۸) صبح الأعشى. أبو العباس احمد القلقشندي. طبعة ثانية سنة ۱۹۲۸. دار الكتب المصرية.

(۶۹) صفوة التفاسير. محمد علي الصابوني. طبعة رابعة سنة ۱۹۸۱ دار القرآن الكريم. بيروت.

(ط)

(۷۰) طبقات الحنابلة ابن أبي يعلى.

(۷۱) الطرق الحكمية في السياسة الشرعية. ابن قيم الجوزية. بتحقيق محمد جميل غازي. مطبعة المدني. بدون تاريخ.

(ظ)

(۷۲) ظاهرة الغلو في التكفير. د/ يوسف القرضاوي. طبعة سنة ۱۹۷۸. دار الاعتصام.

(ع)

(۷۳) عقيدة المومن. أبوبكر الجزائري. طبعة سنة ۱۹۸۱. مكتبة الدعوة الاسلامية.

(۷۴) عقيدة المسلم. محمد الغزالي. طبعة دار الكتب الحديثة. بدون تاريخ.

(۷۵) العلم والمال في الاسلام. احمد حسين كتاب الجمهورية الديني. بدون تاريخ.

(ف)

(۷۶) الفصل في الملل والاهواء والنحل. ابن حزم. طبعة ثانية سنة ۱۹۷۵. دار المعرفة. بيروت.

(۷۷) فقه السيرة د/ محمد سعيد رمضان البوطي. طبعة سابعة سنة

۱۹۷۸ . دار الفکر .
(۷۸) الفن القصصي في القرآن الكريم. محمد أحمد خلف الله. طبعة ثالثة.

(ق)

(۷۹) القاموس المحيط. الفيروز أبادي. طبعة رابعة سنة ۱۹۳۸ . مطبعة دار المأمون.
(۸۰) قبسات من الرسول. محمد قطب. طبعة تاسعة سنة ۱۹۸۳ . دار الشروق.
(۸۱) الاقتصاد في الاعتقاد. أبو حامد الغزالي. طبعة أولى سنة ۱۹۶۹ . دار الأمانة. بيروت.
(۸۲) القصص في الحديث النبوي (دراسة فنية وموضوعية) محمد بن حسن الزير. طبعة أولى سنة ۱۹۷۸ . المطبعة السلفية.
(۸۳) القصص القرآني. دكتور عبده ابراهيم بلبول. رسالة دكتوراء مخطوطة بكلية أصول الدين برقم (۳۷۷).
(۸۴) القصص القرآني في مفهومه و منطوقه. عبدالكريم الخطيب. طبعة ثانية سنة ۱۹۷۵ . دار المعرفة. بيروت.
(۸۵) القصص الهادف كما نراه في سورة الكهف. الشيخ محمد المدني. طبع المجلس الأعلى للشئون الاسلامية. الكتاب الأول سنة ۱۹۶۴ .

(ک)

(۸۶) كيف تفهم الاسلام. محمد الغزالي. طبع دار الكتب الحديثة. بدون تاريخ.

(۸۷) لسان العرب. ابن منظور. طبع دار المعارف. بدون تاریخ.

(م)

(۸۸) المجموع شرح المهذب. للامام النووی بتحقیق محمد نجیب المطیعی. طبعة سنة ۱۹۸۱. المکتبة العالمیة بالفجالة.

(۸۹) مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیة. جمع وترتیب عبدالرحمن بن محمد بن قاسم. طبعة اولی سنة ۱۳۹۲ ه. مطابع الریاض.

(۹۰) مختار الصحاح. محمد بن ابی بکر الرازی. طبعة دار المعارف. بدون تاریخ.

(۹۱) مدارج السالکین. ابن قیم الجوزیة. طبعة اولی سنة ۱۹۸۲. دار التراث العربی.

(۹۲) معارج القبول بشرح سلم الوصول الی علم الاصول فی التوحید. حافظ احمد حکمی. طبع دار الارقم. بدون تاریخ.

(۹۳) المعجم المفهرس لالفاظ القرآن الکریم. محمد فؤاد عبدالباقی. طبعة الشعب سنة ۱۳۷۸ ه.

(۹۴) المعجم الوسیط. احمد حسن الزیات و آخرون. اصدار مجمع اللغة العربیة. بدون تاریخ.

(۹۵) معلمة الاسلام. انور الجندی. بدون تاریخ او اسم مطبعة.

(۹۶) مفتاح دار السعادة و منشور ولایة العلم والارادة. ابن قیم الجوزیة مکتبة الفاروق الحدیثة. بدون تاریخ.

(۹۷) المواهب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة. حاشیة الشیخ ابراهیم البیجوری. طبعة ثالثة سنة ۱۹۵۶. مطبعة مصطفی الحلبی.

(۹۸) منهج التربية الاسلامية. ج ۱. محمد قطب. طبعة ثانية. بدون تاريخ. دار الشروق.
(۹۹) منهج الفن الاسلامي. محمد قطب. طبعة خامسة سنة ۱۹۸۱. دار الشروق.

(ن)

(۱۰۰) نفوس مطمئنة د/ عبدالكريم دهينة. طبعة سنة ۱۹۲۶. الدار القومية للطباعة والنشر.
(۱۰۱) النقد الادبي (اصوله و مناهجه). سيد قطب. طبعة خامسة سنة ۱۹۸۳. دار الشروق.

(ه)

(۱۰۲) هداية المرشدين. على محفوظ. طبعة تاسعة سنة ۱۹۷۹ دار الاعتصام.